

Dar-ul-Andlus

تالیف

تفضیل احمد ضیغم ایم اے

فاضل جامعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ

نظرثانی

حافظ عبد السلام بن محمد



كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

اسلامی مہینے اور بدعاتِ مروجہ

نامِ کتاب

اسلامی مہینے اور بدعاتِ مروجہ

تالیف

تفضیل احمد ضیغم ایم اے

فاضل جامعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ

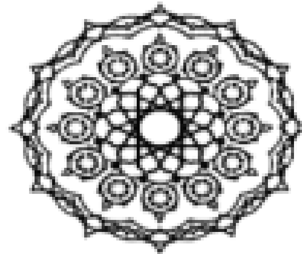
نظرِ ثانی

حافظ عبد السلام بن محمد

اشاعتِ اوّل .... مارچ 2006ء

ناشر .... دارالاندلس

قیمت ....



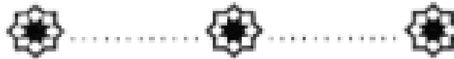
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

دارالاندلس ® اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز

۴۔لیک روڈ، چوبرجی لاہور، پاکستان

Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com

اسلامی مہینے اور بدعات مروجہ



مسنون خطبہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

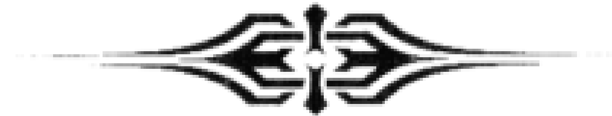
''بلا شبہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے، اسی سے مدد مانگتے اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ دھتکار دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

''حمد وصلوٰۃ کے بعد! یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام امور میں سے برے کام (دین میں) خود ساختہ (بدعت والے) کام ہیں، ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○

’’اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم مسلمان ہو۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، (پھر) اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلا دیا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے (بچو)۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (سچی اور کھری) بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، یقیناً اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔‘‘



① ((مسلم' الجمعة' باب تخفيف الصلوة و الخطبة' حديث ٨٦٨ و ٨٦٧۔ والنسائي' ٣٢٧٨))

② ((رواه الاربعة و احمد والدارمي و روى البغوي في شرح السنة مشكوة مع تعليقات الالباني' النكاح' باب اعلان النكاح...... وقال الالباني حديث صحيح۔))

تنبیہات:

- صحیح مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی حدیث میں خطبہ کا آغاز ((ان الحمدللہ)) سے ہے لہٰذا ((الحمدللہ)) کی بجائے ((ان الحمدللہ)) کہنا چاہیے۔
- یہاں ((نؤمن به و نتوكل عليه)) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہیں۔
- یہ خطبہ نکاح، جمعہ اور عام وعظ و ارشاد یا درس و تدریس کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ اسی خطبہ حاجت کہتے ہیں اسے پڑھ کر آدمی اپنی حاجت و ضرورت بیان کرے۔

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ اَمَّا بَعْدُ۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾ [محمد : ۳۳]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (اور اطاعت سے منہ موڑ کر) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جس کی بنیاد شریعت میں نہیں، وہ کام مردود ہے۔'' [بخاری و مسلم]

زیر نظر کتاب ''اسلامی مہینے اور مروجہ بدعات'' جو ہمارے فاضل دوست مولانا تفضیل احمد ضیغم کی تالیف ہے۔ اس میں انھوں نے اسلامی مہینوں کی مناسبت سے امت مسلمہ میں مروج بدعات کا تذکرہ کیا ہے اور کتاب وسنت کے بین دلائل سے ان کا خوب رد کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس امت کی گمراہی میں جہاں وقت کے حکمرانوں کا ہاتھ ہے وہاں علمائے سوء اور جاہل صوفیوں نے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے امت کی گمراہی و پستی میں

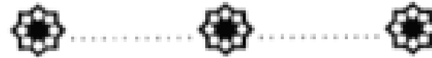
بہت بھیانک کردار ادا کیا ہے۔اس کتاب میں اس کردار کی خوب نقاب کشائی کی گئی ہے۔
اللہ تعالیٰ اسے عوام کے لیے نافع بنائے اور اشاعت وترویج دین کا ذریعہ بنائے۔آمین!

محمد سیف اللہ خالد

مدیر : ''دارالاندلس''

۱٤ صفر ۱٤۲۷ھ

بمطابق ۱۵ مارچ ۲۰۰٦ء



تقریظ

فضیلۃ الشیخ قاری شبیر احمد عثمانی حفظہ اللہ

استاذ دارالعلوم المدنیہ، فیصل آباد

الشیخ المکرّم جناب تفضیل احمد ضیغم صاحب حفظہ اللہ نے اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور اپنی محنت شاقہ سے اپنے علمی اور تحقیقی مواد کو سپرد قلم کیا۔

فاضل موصوف نے مجھ بندۂ ناچیز سے فرمائش کی کہ میں ان کی کتاب کو ایک نظر دیکھوں اور اس کے اہم مسائل کے متعلق کچھ عرض کروں جن مسائل کو انہوں نے اس وقت مسلم معاشرہ کے سامنے پیش کیا ہے کیونکہ ہر گھر کے ہر فرد کو ان مسائل سے واقفیت رکھنا بہت ضروری ہے۔

اس لئے کہ بدعات و رسومات اس قدر رواج پا چکی ہیں کہ آج کے دور میں ایک سادہ لوح مسلمان اس وقت تک سنت اور بدعت میں فرق محسوس نہیں کر سکے گا جب تک وہ آنکھوں سے تعصب کا پردہ ہٹا کر تحقیق کی جانب نہ بڑھے اور جہالت بھی لوگوں میں اتنی سرایت کر چکی ہے کہ اگر ایک مسلمان شب برأت کے موقع پر آتش بازی اور پٹاخے چلاتا ہے تو دیکھا دیکھی دوسرا مسلمان بھی اس کا بڑا اہتمام کرتا ہے حالانکہ انہیں پتہ نہیں کہ آتش بازی یا آتش پرستی مجوسیوں کا کام ہے۔

اسی طرح اگر ایک مسلمان رجب کے کونڈوں کا بڑا اہتمام کرتا ہے تو دوسرا مسلمان بھی اس کو ثواب سمجھ کر بڑی شان و شوکت سے اس کا اہتمام کرتا ہے حالانکہ اسے یہ علم نہیں کہ س

بدعت مروجہ کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ جہالت کی وجہ یہ ہے:

یہ امت خرافات میں کھو گئی
بہت دور سنت سے یہ ہوگئی

فاضل موصوف نے اپنی کتاب اسلامی مہینے اور بدعات مروجہ میں رمضان المبارک اور غیر شرعی امور، شب برات اور اسلام، رجب کے کونڈے، محرم اور بدعات محرم، مروجہ عیدمیلادالنبی جیسے اہم مسائل کو باحوالہ اور ضعیف روایات سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے علمی وتحقیقی مواد کو سپرد قلم کر کے لوگوں کو دعوت فکر دی ہے کہ ان چیزوں سے مکمل اجتناب و احتراز کریں جن کا دین سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی کی وجہ سے ومن یبتغ غیرالاسلام دیناً فلن یقبل منه وھو فی الاخرة من الخسرین کے مصداق بن جائیں۔ میں پورے وثوق سے یہ بات کہتا ہوں کہ جو مسلمان بھائی بھی فاضل موصوف کی یہ کتاب پوری دل جمعی سے پڑھے گا۔ ان شاء اللہ جہالت کی تاریکی کے بادل چھٹ جائیں گے اور علم کی روشنی سے حق و باطل میں واضح فرق نظر آئے گا۔

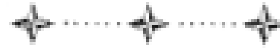
کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ الشیخ المکرم نے اپنے تحقیقانہ انداز میں کتاب میں موجود مسائل کی وضاحت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی جس سے فاضل موصوف کی علمی استعداد اور قابلیت عیاں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مولف کے علم وعمل میں برکت نازل فرمائے اور ان کی اس سعی فائقہ کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

خصوصیات کتاب:

- ❀ فاضل موصوف نے صحیح احادیث جمع کرنے میں خصوصی اہتمام کیا ہے۔
- ❀ حوالہ جات تحریر کرنے میں کتاب اور باب کا بڑی خصوصیت سے اہتمام کیا ہے۔
- ❀ فاضل مولف نے اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جامعیت اور افادیت کا بھی خصوصی اہتمام کیا ہے۔

آخر میں! میں اپنے فاضل دوست الشیخ مولانا تفضیل احمد ضیغم صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ اس اہم کتاب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کروں میرے لئے یہ ثواب عظیم ہے جو فاضل دوست کی فراخ دلی سے میرے حصے میں آیا۔

اخوکم فی الدین
قاری شبیر احمد عثمانی
مدرس جامعہ مدنیہ، فیصل آباد



کلماتِ چند

بدعات اور رسوم و رواج درحقیقت جہالت کی پیداوار ہیں جہالت سے توہمانہ خیالات اور تصوراتی مافوق الفطرت قوتوں کی من گھڑت داستانیں جنم لیتی ہیں اور ہمارے لئے ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں خود کو باشعور اور مہذب دنیا کا فرد سمجھتے ہیں لیکن حیرت یہ ہے کہ ہمارے قلوب واذہان میں ابھی تک سینہ درسینہ چل کے آنے والی توہمات بدستور نہ صرف قائم ہیں بلکہ انہوں نے پردہ ذہن سے محو ہونے کی بجائے جدت کا لباس پہن لیا ہے اور یوں بدعات بھی نئے رنگ ڈھنگ سے منائی جانے لگی ہیں، جنہیں منانے میں وہ دنیا دار طبقہ سب سے آگے ہوتا ہے جنہیں دلیل یا شریعت سے کوئی غرض نہیں ہوتی انہیں بس کوئی دن منانے کیلئے درکار ہوتا ہے وہ نہیں دیکھتے کہ اس دن کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہے یا یہود ونصاریٰ کے ساتھ اور عموماً وہ اس دن کو شور وشغب کے ساتھ منانا ہی اپنی مسلمانیت کی دلیل سمجھتے ہیں کچھ ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی قدم قدم آگے بڑھتے ہیں ہمارے لئے درناک صورتحال اس وقت بن جاتی ہے جب وارثانِ منبر ومحراب اور خود کو اہل علم گردانتے والے ان توہمات اور دیومالائی داستانوں کو شریعت کا لباس پہنانے کیلئے اپنی توانائیوں کو صرف کرنے لگتے ہیں وہ ان مقاصد کیلئے منبر ومصلیٰ کی مقدس جگہ کو بھی استعمال کرتے ہیں اور قلم کو بھی کئی ادائیں بخشتے ہیں۔ یوں توہمانہ خیالات شریعت کے ساتھ اس طرح گڈمڈ ہوجاتے ہیں کہ سادہ لوح دین داروں کو بھی شکوک و شبہات میں مبتلا کردیتے ہیں اور اگر کوئی اسلام کا درد رکھنے والا تاریکی سے روشنی کو جدا

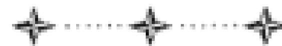
کرنے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کیلئے قلم اٹھائے تو اسے روشن خیالی کے خلاف سمجھا جاتا ہے بھلا یہ کہاں کی روشن خیالی ہے کہ ہرایرے غیرے عمل کو دہرانے کیلئے بندہ دین وشریعت کو مذاق کا پلندہ بنادے۔اگرچہ ان بدعات کے بارے قلم اٹھانا ایسا ہی ہے کہ

ضبط کرتا ہوں تو ہر زخم لہو دیتا ہے
نالہ کرتا ہوں تو اندیشۂ رسوائی ہے

لیکن دینی ذمہ داریاں اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں کہ اس گلی میں ہر پریشانی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلام کے روشن چہرے پر پڑی گرد وغبار کو صاف کیا جائے چنانچہ میں نے اپنی دن رات کی مصروفیات کو ایک طرف رکھ کر مختلف مہینوں میں دہرائی جانے والی بدعات کواختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کردیا ہے اس کتاب میں دراصل میرے مختلف اوقات میں شائع ہونے والے پمفلٹ جمع کئے گئے ہیں جومہینوں کی مناسبت سے شائع ہوتے رہے ہیں اور میں اپنے ان بھائیوں کا بھی شکرگزار ہوں جن کے باربار اصرار نے مجھے ان مضامین کو جمع کرنے کی ترغیب دی اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مختصر کتاب کو تاریکیوں کے کافور کرنے میں معاون بنادے۔

تفضیل احمد ضیغم

20 ستمبر 2005ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ مہینہ خصوصاً پاکستان کی تاریخ میں فتنہ وفساد اور رسوم و بدعات کا پلندہ بن کے رہ گیا ہے۔ اگر ایک طرف دہشت گردی کی سنگین وارداتیں اس مہینہ میں رونما ہوتی ہیں تو دوسری جانب بے تحاشا رسوم و بدعات کو بھی اسی مہینہ میں دہرایا جاتا ہے اور یوں نئے سال کی ابتداء دہشت گردی اور بدعات سے ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت نے اس مہینہ کو بڑا محترم ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ اسے سوگ کیلئے مقرر فرمایا اور نہ ہی توہمانہ خیالات کیلئے ہاں! ہماری دین سے دوری نے اس مہینہ کی اصل صورت بگاڑنے میں کافی کردار ادا کیا ہے اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس میں دو گروہوں نے برابر کا کردار ادا کیا ہے۔ ایک تو وہ گروہ ہے جس کی ساری عبادات ہی اس مہینہ کے ساتھ خاص ہیں اور دوسرے ہم سنی بھائی ہیں جو تقریباً ان ہی کی روش پہ چل نکلے۔

توجہ فرمایئے:

(۱) شیعہ ان دنوں سیاہ ماتمی لباس پہنتے ہیں تو ہم نے ان کے مقابل اپنے بچوں کو سبز کپڑے پہنا کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنانے کی رسم کو ایجاد کیا۔

(۲) انہوں نے تعزیے بنا کے چوکوں میں اور اپنے گھروں کے سامنے اور امام بارگاہوں میں رکھے تو ہم نے اسی طرح مساجد کے سامنے سڑکوں' چوکوں اور چورستوں میں پانی اور دودھ کی سبیلیں لگائیں۔

(۳) انہوں نے مبالغہ آمیز انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صبر وضبط کا مذاق اڑا کے انہیں کم ہمت اور مصائب پر صبر کی بجائے ماتم کرنے والا دکھایا تو ہم نے بھی واقعہ کربلا کو واعظین کی مجالس سجا کے اس انداز سے بیان کیا کہ صبر و ہمت سر پیٹ کے رہ گئے پھر ان واعظین کی من گھڑت واقعات پہ مبنی کیسٹیں

بازاروں اور دکانوں میں لگا کے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

(۴) انہوں نے چارپائیوں کو الٹا کر کے سوگ منانے کیلئے ننگے پاؤں پھرنا شروع کر دیا تو ہم نے اس مہینہ میں شادی بیاہ اور خوشی کے تمام کاموں پر مستقل پابندی لگا کے سوگ منایا۔

(۵) جب دس محرم کا دن آیا تو شیعہ حضرات تعزیہ اور جلوس لے کر ماتم اور سینہ کوبی کیلئے گھروں سے باہر نکلے تو ہم بھی اپنی بہو بیٹیوں کو لے کر قبرستان قبروں کی لیپا پوچی کیلئے چل دیئے۔ اس کے علاوہ ہم تو ہم پرستوں نے نہ جانے کیا کیا کچھ کیا۔ کجیاں ٹھوٹھیاں بھریں، کسی نے کھیر کے پیالے بانٹے، کسی نے نیاز حسین کے نام پر حلیم پکایا اور جب انہوں نے گھوڑا نکالا تو ہم نے یہ مشہور کر دیا کہ اس کے نیچے سے اگر بچوں کو گزارا جائے تو وہ بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو دونوں کوچۂ جاناں میں جا ملے

برادران اسلام! شیعہ نے تو یہ کام کرنے ہی تھے ہمیں دکھ اس وقت محسوس ہوتا ہے جب اپنے بھی ان کے ہمنوا بن جائیں۔ ہمیں اپنوں سے یہ توقع تو ہرگز نہیں تھی۔ شیعہ کی نقالی میں ہم جو کام کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک صرف اصلاح کی نیت سے حوالہ قرطاس کئے جا رہے ہیں۔

(۱) رلا دینے والی تقاریر:

جیسے ہی ماہ محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے بازاروں اور دکانوں پہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے رلا دینے والی تقاریر لگائی جاتی ہیں۔ جس میں تقریر کرنے والے بھی روتے ہیں اور سننے والوں کو بھی رلایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ چیز خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تو اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو صبر و ہمت کا پیکر ہے بلکہ صبر و ضبط، تحمل و برداشت اور ہمت و استقامت کے چشمے یہیں سے پھوٹتے ہیں۔ کائنات نے

ان سے زیادہ صبر والا خاندان اور کوئی نہیں دیکھا کہ جن کے نانا نے ۱۳ سال مکہ میں بسر کرتے ہوئے پہاڑ جیسے ظلم برداشت کئے مگر زبان سے آہ تک نہ کی کہ صبر پر حرف نہ آئے کیا ان کا نواسہ (نعوذ باللہ) بہادر نہیں تھا۔۔۔۔؟ شہادت تو ایک انمول اعزاز کو کہتے ہیں جس پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ فائز ہوئے شہادتیں رونے کیلئے نہیں ہوتیں۔ اسلام کا چہرہ شہیدوں کے خون سے ہی دمک رہا ہے ہاں! کسی قوم کیلئے رونے والی بات یہ ہوتی ہے کہ اس کے افراد سے شہادت کا جذبہ ختم ہو جائے انہیں شہادت سے نفرت ہو جائے اس کے جوان موت سے نفرت اور زندگی سے محبت کرنے لگ جائیں اس پر جتنا زیادہ رویا جائے کم ہے مگر شہادت پر رونا اور بین ڈالنا صبر کے خلاف ہے۔

اگر شہادتیں رونے کیلئے ہی ہیں تو پھر کیا شہادت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کم دردناک تھی؟ جن کے جسم کے اعضاء کاٹ کر ہار پرو لئے گئے کلیجہ نکال کر چبایا گیا اپنے چچا کی یہ حالت دیکھ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل زخمی ہوگیا مگر دیکھئے تو۔۔۔شہادتوں پر صبر کے کیسے عظیم سبق سکھا دیئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جب بھائی کی لاش دیکھنے کا مطالبہ کیا تو انہیں لاش دیکھنے سے روک دیا کہ کہیں انکے صبر کا بندھن ٹوٹ نہ جائے اور ۔

کہا روکو میری پھوپھی کو میت پر نہ آنے دو
دلِ زخمی کو ان کے یہ نیا چرکا نہ کھانے دو
الم انگیز ہے قطع و برید چہرہ حمزہ
بہن کو رنج دے شاید کہ دید چہرہ حمزہ

ان کی شہادت پہ تو واعظین کی آنکھوں نے کبھی آنسو نہیں برسائے اور نہ ہی کبھی ہائے وائے کا واویلا مچایا گیا اور اک لمحہ سوچئے تو .... کیا سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کم دردناک تھی؟ جنہیں سولی کے کھمبے پر چڑھا کر تیروں اور نیزوں کے کچوکوں سے چھید چھید کے شہید کیا گیا تھا' کیا سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کم دردناک تھی جن کے جسم کا ایک ایک

عضو کاٹ کے انہیں شہید کیا گیا تھا' شہادت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھول گئے جنہیں شرمگاہ میں نیزہ مار کر انتہائی بے دردی سے شہید کیا گیا تھا لیکن ان تمام کی شہادتوں پر نہ مرثیے بنے نہ واعظین نے مجمع کو رلایا اور نہ ہی ذاکروں کی زبانوں نے درد و کرب کی تصاویر کو کھینچا۔ اسلام کا چہرہ خونِ شہیداں سے ہی گلنار ہے اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو سال بھر کے دنوں میں سے شاید ہی کوئی دن شہادتوں سے خالی ہو............پھر شہادت حسین رضی اللہ عنہ کو ہی رونے رلانے اور المناک مرثیے پڑھنے کے ساتھ خاص کیوں کر لیا گیا بات اصل میں یہ ہے کہ ہم دوسروں کی دیکھا دیکھی نقالی میں کام کرنے کے بڑے عادی ہیں۔ ہندوؤں نے کوئی میلہ ٹھیلہ لگایا یا دن منایا تو ہم نے بھی منانا شروع کر دیا' عیسائیوں نے کرسمس کارڈ شروع کیا تو ہم نے عید کارڈ کو جاری کر دیا۔ اسی طرح سوگ منانے کا کام بھی ہم نے نقالی میں شروع کیا ہے۔

تاریخ کی مشہور کتاب'' تاریخ اسلام اکبر نجیب آبادی جلد دوئم'' میں لکھا گیا ہے کہ ۳۵۲ھ میں معز الدولہ نے حکم دیا کہ میری حکومت کے تمام باشندگان ۱۰ محرم الحرام کو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے غم میں دکانیں بند کر دیں اور خرید و فروخت چھوڑ کے ماتمی لباس پہنیں تب پھر عورتیں اپنے بال کھولے چہروں کو سیاہ کر کے سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتیں' منہ نوچتیں' اور چھاتیاں پیٹتیں ہوئی نکلیں۔ اگلے سال معز الدولہ نے پھر یہی حکم دیا شیعہ نے تو اسے بخوشی قبول کر لیا لیکن سنّیوں نے اس خلافِ شرع کام کو برداشت نہیں کیا۔

اس طرح دو گروہ بن گئے۔ شیعہ نے تو ہر سال اہتمام سے یہ کام شروع کر دیا اور سنی مسلمان یہ کام نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن برصغیر کے مسلمانوں میں چونکہ نقالی کی ایک عادت ہے اس لئے انہوں نے سینہ کوبی اور ماتم کو تو اختیار نہ کیا لیکن شیعہ جس طرح دردناک انداز میں مرثیے پڑھتے اور عزاداری کی مجالس کا انعقاد کرتے تھے ان کو دیکھ کر ہمارے واعظین نے کوشش کی کہ کیوں نہ ان سے بھی زیادہ دردناک انداز میں شہادت حسین اور واقعہ کربلا کو بیان کیا جائے۔ بس یہیں سے اس کام کا آغاز ہو گیا۔ آہستہ آہستہ یہ ایک فن بن گیا کہ کون سب سے زیادہ دردناک انداز میں بیان کرتا ہے......؟ جو کسی کے ذہن میں آیا شہادت

سین کے ساتھ منسوب کر دیا۔ غمناکی کا نقشہ کھینچنے کیلئے کئی جھوٹ ساتھ ملائے۔ آج سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صبر و ہمت کا مذاق اڑانے والے اور رونے رلانے والے بہت ملیں گے۔

ایسے اداکار واعظین کے متعلق نبی ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ہے:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا وَأَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ» ①

''تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت والے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے اخلاق میں سب سے زیادہ اچھے ہیں اور تم میں سے سب سے زیادہ مجھے ناپسندیدہ اور قیامت والے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو تکلف سے زیادہ باتیں کرنے والے باچھیں کھول کر گفتگو کرنے والے اور منہ بھر کر کلام کرنے والے ہیں''۔

یقیناً ایک عالم آدمی کی تقریر میں تصنع اور بناوٹ والی چیزیں نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایک عالمانہ شان ہوتی ہے۔ اس کی گفتگو میں نبی ﷺ کی تعلیمات کی پابندی کا انداز جھلکتا ہے اور وہ بین ڈالنے سے بھی قطعاً پرہیز کرتا ہے اللہ ہمیں فلسفہ شہادت کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنانا

محرم کے دنوں میں ایک دوسرا کام شریعت سے ہٹ کے ہم یہ کرتے ہیں کہ بچوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنایا جاتا ہیں۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کو سبز کپڑے پہنا کے کہا جاتا ہے کہ اسے ہم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنا دیا ہے پھر گھر گھر

---

① حسن جامع ترمذی ابواب البر و الصلہ ۔

لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹا کے فقیروں کی طرح عورتیں اور جوان لڑکیاں مانگتی پھرتی ہیں کہ ہمارا بیٹا یا بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بن گیا ہے اس لئے کچھ دو۔ اگر پوچھا جائے کہ وہ کیوں منگتا بن گیا ہے؟ اسے کیا ضرورت پیش آئی بھکاری بننے کی؟ جواب ملتا ہے اللہ نے مدت کے بعد بچہ عطا کیا ہے اگر اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنا کے ان کے نام پہ کچھ مانگ کے کھلا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ سے بیماری سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ایک دو نہیں سینکڑوں تو ہم پرست انسان اپنے بچوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنائے گھر گھر مانگ رہے ہیں۔ ارے .... ان عقلمند لوگوں کو کیا ہو گیا اگر اس طرح منگتا بنانا جائز ہوتا تو کے معلوم نہیں حسنین کے نانا محمد عربی ﷺ سے زیادہ مرتبے والا انسان نہ تو آج تک پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہو گا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو رسول اللہ ﷺ کا منگتا بنا لیتے ان کے نام کا مانگ کے بچوں کو کھلا دیتے کہ وہ بیماریوں سے محفوظ ہو جائیں۔ اور کچھ نہیں تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی اپنے بچوں کو نانا کا منگتا بنا لیتے مگر ایسا کام نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا اور نہ ائمہ دین نے۔

پھر جس بچے کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بناتے ہیں اس کے سر پر بالوں کی ایک لٹ سی رکھ دیتے ہیں اور ارد گرد سے بال مونڈھ دیں گے درمیان میں بالوں کی لٹ کو اس لئے چھوڑا جاتا ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ یہ بچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا ہے۔ حالانکہ یہ کام صریحاً حدیثِ رسول ﷺ کے منافی اور فرامینِ رسول ﷺ سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ سر پر اس طرح سے کچھ بالوں کا چھوڑنا عربی میں قزع کہلاتا ہے اور نبی صلی اللہ نے اس سے روکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

« نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقَزَعِ »①

"رسول اللہ ﷺ نے قزع (کچھ بالوں کے مونڈھنے) سے منع فرمایا۔"

---

① صحیح بخاری، کتاب اللباس۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

« رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ شَعْرِ رَأْسِهِ وَتُرِكَ بَعْضُهُ فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ احْلِقُوْهُ كُلَّهُ أَوِ اتْرُكُوْهُ كُلَّهُ » ①

"رسول اللہ ﷺ نے ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے سر پر کچھ بال مونڈے ہوئے ہیں اور کچھ چھوڑے ہوئے ہیں تو آپ نے انہیں اس سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ اس کے سارے بال مونڈ دو یا سارے بال چھوڑ دو"۔

کیا آج اس طرح بالوں کی ایک لٹ چھوڑ کے حسین رضی اللہ عنہ کا منگتا بنانے والے فرمان رسول اللہ ﷺ کی توہین نہیں کرتے اور پھر اللہ کا فقیر اور مانگت بننے کی بجائے بندے کا مانگت بننا پسند کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں دوٹوک فرما دیا ہے:

﴿ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾
[الفاطر : ١٥]

"اے لوگو! تم سب اللہ کے فقیر ہو اور اللہ بے پرواہ تعریف کیا گیا ہے"۔

کیا بندے کا فقیر بن کے مانگنا اور اسے بیماریاں دور کرنے والا اور نفع ونقصان کا مالک سمجھنا عقیدہ توحید کے منافی نہیں ......؟ اور کیا ایسا کرنے والوں کے پاس قرآن و حدیث سے کوئی دلیل ہے یا وہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ایسا عمل ثابت کر سکتے ہیں...؟

دودھ کی سبیلیں اور کجیاں ٹھوٹھیاں

محرم کے حوالہ سے تیسرا کام جس کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں وہ ہے کجیاں ٹھوٹھیاں بھرنا۔ آج تک ہمیں اس چیز کی سمجھ نہیں آ سکی کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے کجیوں

---

① صحیح مسلم، کتاب اللباس باب کراھیة القزع۔

ٹھوٹھیوں کا کیا رشتہ وتعلق ہے۔ محرم کی آمد کے ساتھ ہی کئی دکاندار کجیوں کا ڈھیر لگا کر بیٹھ جاتے ہیں جیسے ہی دس محرم کا سورج طلوع ہوتا ہے عورتیں اور مرد بھی ان کجیوں میں لسی یا دودھ ڈالتے ہیں ٹھوٹھیوں میں حلوہ یا کھیر بھرتے ہیں اور بچوں میں بانٹنا شروع کر دیتے ہیں کچھ دوسرے ہیں کہ مٹی کے کچے پیالے لے کر ان میں کھیر ڈال کر بانٹتے ہیں کچھ حلیم کی دیگیں پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور کام جو ہوتا ہے وہ ہے میٹھے پانی یا دودھ کی سبیل لگانا ہر چوک اور محلے میں اس کا انتظام ہوتا ہے ہر آنے جانے والے کو گلاس یا مٹی کے پیالے میں پانی بھر کے دیا جاتا ہے۔ اے ہوش وخرد کے مالک لوگو! اللہ کیلئے اتنا بتا دو ان چیزوں کا شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق ہے؟

بعض کہتے ہیں کہ اس دن چونکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو پانی نہیں ملا تھا اس لئے لوگوں کے لئے پانی پینے پلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے پھر یہ کہاں کی محبت ہوئی کہ انہیں تو اس دن پانی نہیں ملا تھا اور ہم اس دن شربت اور دودھ پئیں۔ وہ تو بھوکے پیاسے شہید ہوں اور ہم اس دن نیاز حسین رضی اللہ عنہ کے نام سے پیٹوں کو بھریں۔ کیا محرم کے مہینہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یہ اعمال کیا کرتے تھے......؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا اس لئے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا کی سنت کے خلاف چلنے والے ہرگز نہیں تھے اور ان کے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے۔ وہ محرم کے مہینے میں اس طرح کھانے پینے کی بجائے روزے کو پسند فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« سُئِلَ اَیُّ الصَّلٰوۃِ اَفْضَلُ بَعْدَ الْمَکْتُوْبَۃِ وَاَیُّ الصِّیَامِ اَفْضَلُ بَعْدَ شَھْرِ رَمَضَانَ قَالَ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَالصَّلٰوۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ وَاَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ شَھْرِ رَمَضَانَ صِیَامُ شَھْرِ اللّٰہِ الْمُحَرَّمِ »[1]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام باب فضل صوم المحرم۔

"رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے اور ماہ رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں آپ نے فرمایا نماز رات کی اور روزے محرم کے"۔

محرم کے دنوں میں روزے رکھنا پیغمبر کائنات ﷺ نے افضل عمل قرار دیا ہے اور فرضیتِ رمضان سے قبل عاشورا کا روزہ فرض تھا جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو عاشورہ کا روزہ نفلی قرار پایا۔ نبی ﷺ کو اس روزہ سے اس قدر محبت تھی کہ آخری عمر تک یہ روزہ رکھتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

« حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ يَاتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ » [1]

"رسول اللہ ﷺ نے جب عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس روزے کے رکھنے کا حکم فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ دن تو ایسا ہے کہ یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا جب اگلا سال آئے گا تو انشاء اللہ ہم نویں (۹ محرم) کا روزہ رکھیں گے پس اگلا سال نہ آنے پایا کہ رسول ﷺ وفات پا گئے"۔

کتنے دکھ کی بات ہے کہ نبی رحمت ﷺ تو اس دن روزہ رکھیں، صحابہ رضی اللہ عنہم روزہ رکھیں اور نبی ﷺ روزہ رکھنے کا حکم بھی دیں اور ہم ان کے امتی ہو کر اس دن کھانے پکا کے سبیلیں لگا کے لوگوں کو روزہ رکھنے سے بالکل ہی روک دیں بتایئے کیا اس دن نبی علیہ السلام کے فرمان پر

---

[1] صحیح مسلم صوم یوم عاشوراء۔

عمل کرتے ہوئے روزہ رکھنا بہتر ہے یا اپنی بنائی ہوئی ایک سوچ اور رسم پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو روزہ رکھنے سے روکنا......؟ کیا اس طرح ہم لوگوں کو ایک نیک عمل سے روکنے کا سبب نہیں بنتے۔ کیا اس دن سبیلیں لگانے، رنگا رنگ کھانے پکانے اور کجیاں ٹھوٹھیاں بھرنے کا حکم رسول مکرم ﷺ نے دیا ہے کیا یہ حکم صحابہ یا ائمہ دین نے دیا ہے اگر آپ ذہن پہ تھوڑا سا زور دے کر سوچیں تو آپ ﷺ س نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ یہ حکم تو ہمیں صرف ہمارے مولوی نے دیا ہے اور دین اسلام تو قرآن حکیم اور پیارے حبیب ﷺ کے فرامین کا نام ہے کسی مولوی یا فقیہہ کو اپنی طرف سے دین وشریعت میں تبدیلی کی کوئی اجازت نہیں۔

محرم کے مہینہ کو سوگ کا مہینہ قرار دینا

محرم کے مہینہ میں چوتھا کام یہ ہوتا ہے کہ محرم کے مہینے کو سوگ کا مہینہ قرار دے کر اپنے اوپر خوشیوں اور مسرتوں کو حرام ٹھہرا لیا جاتا ہے شادی بیاہ پر مکمل پابندی لگا دی جاتی ہے۔ اور اس مہینہ میں شادی کرنا اور رخصتی کرنا منحوس سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ محرم سے پہلے شادیوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ تقریباً ہر چوک اور گلی شادی کیلئے لگائے گئے شامیانوں سے بلاک نظر آتی ہے جیسے ہی محرم کا مہینہ شروع ہوا سوگ کی مختلف صورتوں پر عمل شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ فلم انڈسٹری سے لے کر سیاست تک سب ہی اس سوگ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر گانے بھی چلتے ہیں حالانکہ اس وقت مسلمان روزے سے ہوتا ہے اور گانا سننا روزے کی خرابی کا باعث بھی ہے لیکن رمضان المبارک میں گانے بند نہیں ہوتے اور محرم میں بند ہو جاتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ محرم کے مہینہ میں گانے چلائے جائیں۔ جو چیز حرام ہے وہ حرام ہی رہے گی خواہ مہینہ کوئی بھی ہو ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس مہینہ کو سوگ کا مہینہ سمجھنا کیسا ہے؟ کیا اس کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہے یا پیارے مدنی پیغمبر ﷺ نے دیا ہے یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے......؟

بعض کہتے ہیں کہ اس مہینہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس لئے یہ سوگ کا مہینہ ہے کتنے تعجب کی بات ہے۔ اے عزیزانِ محترم! شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچاس سال بعد پیش آیا اور دین تو رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مکمل ہو گیا تھا۔ خود رب کعبہ نے ان کی زندگی میں ارشاد فرما دیا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدة : ٣]

''آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو بھی تم پر مکمل فرما دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین چن لیا''۔

جب دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مکمل ہو گیا تھا خوشی اور غم کے تمام مواقع اور اصول ان کی حیات مقدسہ میں ہی مقرر کر دیے گئے تھے تو کیا وہ دین جسے اللہ نے ہمارے لئے پسند فرمایا جسے ہم ''اسلام'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس میں کہیں محرم کے مہینہ کو سوگ کے لئے خاص کیا گیا ہے...............؟ اگر نہیں تو پھر ہمیں شریعت سازی کا حق کس نے دیا ہے کہ ہم اپنی مرضی سے جس مہینہ کو چاہیں سوگ والا مقرر کر دیں۔

اگر شہادتوں کے برس ہا برس تک سوگ منانے کا کوئی جواز ہوتا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اس لائق تھی کہ سوگ منایا جاتا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہادت حمزہ کے بعد ۸ سال تک زندہ رہے۔ مگر کبھی انہوں نے شوال کے مہینہ کو جس میں احد کی جنگ ہوئی سوگ کیلئے خاص نہیں کیا۔ غزوہ موتہ جس کا وقوع جمادی الاولیٰ ۸ ھ کو ہوا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے جن کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے آپ کو ان کی شہادت کا بہت رنج تھا مگر جمادی الاولیٰ کے مہینہ کو کبھی سوگ کیلئے خاص نہیں کیا۔

میت پر سوگ کی شرعی مدت

شریعت میں میت پر سوگ کی مدت تین دن مقرر کی گئی ہے کسی مرد و عورت کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہاں جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ اپنے شوہر کیلئے چار ماہ دس دن سوگ کیلئے زیب و زینت کو ترک کرے گی اس کی دلیل صحیح بخاری کی یہ روایت ہے:

« عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا جَآءَ نَعْيُ أَبِي سُفْيَانَ مِنَ الشَّامِ دَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِصُفْرَةٍ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَمَسَحَتْ عَارِضَيْهَا وَذِرَاعَيْهَا وَقَالَتْ إِنْ كُنْتُ عَنْ هٰذَا لَغَنِيَّةً لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا » ①

" حضرت زینب بنت ابی سلمہ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں جب ملک شام سے حضرت ابوسفیان کے فوت ہونے کی خبر آئی تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تیسرے دن زرد رنگ کی خوشبو منگوائی اور اپنے رخساروں اور بازوؤں پر ملی اور فرمایا مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو عورت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کیلئے کسی مردے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں البتہ خاوند پر چار مہینے اور دس دن سوگ کرے گی۔ (یاد رہے ابوسفیان ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے)

---

① صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب احداد المرأة علی غیر زوجہ۔

ایک روایت میں ہے:

« تُوُفِّيَ ابْنٌ لِأُمِّ عَطِيَّةَ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ دَعَتْ بِصُفْرَةٍ فَتَمَسَّحَتْ بِهِ قَالَتْ نُهِينَا اَنْ نُحِدَّ اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ اِلَّا لِزَوْجٍ » ①

''ام عطیہ رضی اللہ عنہا (صحابیہ) کا ایک بیٹا فوت ہو گیا انہوں نے تیسرے دن زرد خوشبو منگوا کر اپنے بدن پر لگائی اور کہا ہم کو خاوند کے سوا اور کسی کیلئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے روک دیا گیا ہے''۔

مذکورہ روایات کے علاوہ کتب' احادیث میں کئی روایات موجود ہیں جن میں میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی زیادہ عظمت و رفعت والی ہستی ہی کیوں نہ ہو۔

غور فرمایئے! امام کائنات حضرت رسول اقدس ﷺ سے بڑھ کر عظمت والی کوئی ہستی ہو سکتی ہے........؟ اگر برس ہا برس تک سوگ منانا جائز ہوتا تو انکی وفات اس قابل تھی کہ مسلمان ہر سال کاروبار بند کیا کرتے اور جوش و خروش سے سوگ مناتے لیکن نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہر سال سوگ منایا اور نہ ہی حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے یہ کام کئے انہیں نبی ﷺ کی وفات کا غم نہ تھا یا وہ وفادار نہ تھے اور نہ ہی ان کی وفات پر سوگ موجودہ زمانے کے لوگ مناتے ہیں۔ مگر سانحہ کربلا کو قریباً چودہ سو سال کا عرصہ بیت گیا کیا اب تک سوگ ختم نہیں ہوا۔ ایک خاص گروہ نے تو یہ کام کرنا ہی تھا ہمیں شکوہ اپنے بھائیوں سے ہے اور شکایت آدمی اپنوں سے ہی کیا کرتا ہے جو دوسروں کی نقالی میں احادیث کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔

ماہ محرم میں شادی پر پابندی

شادی کرنا ایک خوشی و مسرت والا کام ہے چونکہ محرم کے مہینہ کو ماہ غم سمجھ لیا گیا ہے اس لئے اس مہینہ میں شادی کرنا بڑا معیوب کام سمجھا جاتا ہے اس کے علاوہ توہم پرست لوگوں

نے اور بھی کئی تصوراتی کام گھڑ لئے ہیں۔ مثلاً اس مہینہ کے پہلے دس دنوں میں اگر کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری کرے تو اولاد منحوس ہوگی یا ناقص العقل ہوگی۔ شادی ہو تو شادی مبارک نہ ہوگی یہی خیال عرب کے جاہل لوگوں کا تھا وہ شوال کے مہینہ کو منحوس سمجھتے اور اس میں شادی نہیں کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے اس خیال باطل کو توڑنے کیلئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی شوال میں کی اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ (مزید وضاحت کیلئے ملاحظہ فرمائیں ہمارا کتابچہ ماہ صفر منحوس کیوں؟)

کیا ہم یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ شریعت میں کس جگہ محرم کے مہینہ میں شادی سے روکا گیا ہے۔ کیا کوئی ہلکا سا اشارہ بھی ملتا ہے......؟۔ یہ تو دین میں سختیاں ہیں جو ہم نے اپنی طرف سے لگا لیں کہ ایک گروہ ان دنوں ننگے پاؤں پھرتا ہے گرمی ہو یا سردی جوتا نہیں پہنتے' چارپائیوں کو الٹا کر دیتے ہیں کہ آرام سے نہ سو سکیں اور دوسرے گروہ نے شادی اور خوشی سے روک کر دین میں سختی کو شامل کیا۔ اسلام میں ایسی سختیوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

دین میں سختی کرنے والوں کو نبی ﷺ کی تنبیہ:

«عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِاِنْسَانٍ يَقُوْدُ اِنْسَانًا بِخِزَامَةٍ فِي اَنْفِهِ فَقَطَعَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ ثُمَّ اَمَرَهُ اَنْ يَقُوْدَهُ بِيَدِهِ» [1]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی ﷺ نے طواف کرتے ہوئے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دوسرے آدمی کو اسکی ناک میں رسی ڈال کر (گھوڑے کی طرح) طواف کروا رہا ہے آپ نے وہ رسی کاٹ دی پھر فرمایا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے طواف کرا''۔

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے:

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الايمان والنذور، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية ۔

''نبی ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک آدمی کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہے آپ نے اسکے اسطرح کھڑے ہونے کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ شخص ابو اسرائیل ہے اس نے یہ منت مانی ہے کہ کھڑا رہے گا نہ بیٹھے گا نہ سایہ میں آئے گا نہ بات کرے گا اور نہ کھائے پیئے گا۔ نبی ﷺ نے اس کے اس عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

«مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ» ①

اس کو کہو بات کرے اور سائے میں آ جائے بیٹھ جائے اور اپنے روزے کو پورا کرے۔''

ایک اور روایت میں ہے نبی ﷺ نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے سے چلتا ہوا پیدل بیت اللہ کا حج کرنے کیلئے جا رہا ہے تو فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسه» ②

''اللہ ﷺ اس چیز سے بے پرواہ ہے کہ یہ اپنی جان کو تکلیف دے''۔

پیارے بھائیو! سوچیے کیا شادی بیاہ سے رک جانا' نئے کپڑے پہننا اور بیوی سے ہم بستری کو اپنے لئے حرام کر لینا نفس کو عذاب میں مبتلا کرنے والی چیز نہیں یقیناً یہ دین میں سختیاں ہیں اور اللہ ﷺ ان چیزوں سے بے پروا ہے۔

آیئے ہم امام احمد رضا صاحب سے پوچھ لیتے ہیں وہ اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں۔

احمد رضا صاحب کا فتویٰ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وخلیفہ مرسلین ذیل میں

۱۔ بعض اہل سنت و جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فیما لا یملك وفی معصیة۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فیما لا یملك وفی معصیة۔

دیتے ہیں اور کہتے ہیں بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔

۲۔ ان دس دنوں میں کپڑے نہیں اتارتے۔

۳۔ ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔

۴۔ ان ایام میں سوائے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے یہ جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا

الجواب: پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے اور چوتھی بات جہالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ

(حوالہ احکام شریعت مسئلہ نمبر ۵۰ اا محرم الحرام ۱۳۲۸ھ)

گویا احمد رضا کے نزدیک اس مہینہ میں سوگ حرام ہے اور یہ چیزیں جہالت پر مبنی ہیں پھر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم حرام چیزوں کو اختیار کرتے اور جہالت کی جانب سفر کرتے ہیں۔

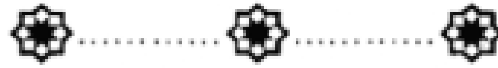
قبروں پر لیپا پوتی کرنا:

ایک اور کام محرم میں یہ ہوتا ہے کہ یکم محرم سے ہی قبرستانوں میں مٹی کی ٹرالیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ جوں جوں ۱۰ محرم کا دن قریب آتا جاتا ہے قبرستان کی رونق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ۱۰ محرم کا دن طلوع ہوتا ہے تو ایک گروہ تو ماتم اور سینہ کوبی کیلئے اور گھوڑا نکالنے کیلئے گھروں سے نکلتا ہے تو دوسرا جوان بہو بیٹیوں کو لے کر قبرستانوں کی جانب نکلتا ہے پھولوں اور اگر بتیوں کے سٹال لگتے ہیں۔ مرد و زن اکٹھے مٹی ڈالنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ۱۰ محرم کو قبرستان تو قبرستان لگتا ہی نہیں وہ تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مینا بازار ہو کثیر تعداد میں مرد موجود ہوتے ہیں تب بھلا مٹی ڈالتے وقت پردہ کون کرتا ہے اور توہم پرستوں نے ایسی ایسی داستانیں گھڑ لی ہیں کہ اللہ کی پناہ مٹی ڈالنے کے بعد قبر

پر کھڑے ہو کے شیرینی بانٹی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے اگر کوئی مٹی ڈالنے کے بعد شیرینی نہ بانٹے تو قبر والے پر بوجھ رہتا ہے یہ سب من گھڑت چیزیں ہیں۔

قبروں کی زیارت کا حکم تو نبی ﷺ نے اسلئے دیا ہے کہ اس سے آخرت کی یاد آئے اگر وہاں مینا بازار لگا دیا جائے تو آخرت کی یاد کب آئے گی ہاں بے پردگی کی وجہ سے شاید گناہ مزید بڑھ جائیں۔ دنیا میں اگر کوئی بہترین قبرستان ہے تو وہ جنت البقیع ہے کیا دور نبوی ﷺ یا دور صحابہ میں کبھی وہاں دس محرم کو اس طرح میلہ لگا تھا یا مٹی اور پھولوں کا اہتمام ہوا تھا......؟۔

اللھم اھدنا لاحسن الاخلاق والاعمال لا یھدی لاحسنھا الا انت۔




کیا ماہِ صفر
منحوس ہے؟

بدعات صفر

صفر اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے۔ اسلامی سال کے بارہ مہینوں میں سے اکثر کے فضائل قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ کسی کے کم اور کسی کے زیادہ نبی ﷺ کی زبان سے بیان ہونے والی ان فضیلتوں کو حاصل کرنے کیلئے مسنون اعمال کرنا ایک مسلمان کی شان اور اطاعت رسول ﷺ کا حقیقی مفہوم ہے۔ ایک مسلمان کا یہ پختہ یقین ہے کہ دنیا جہان کا کوئی عمل نبی ﷺ کے بتائے ہوئے اعمال سے افضل نہیں ہوسکتا۔ خواہ اس عمل کا تعلق اسلامی مہینوں کے ساتھ ہے یا دنوں کے ساتھ۔ پھر یہ کہ پیارے حبیب ﷺ اس دنیا سے جاتے ہوئے کتاب وسنت پر مشتمل جتنا دین ہمیں دے گئے تھے صرف اتنے ہی دین پر عمل کرنے سے آدمی جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ بلکہ قیامت کے روز حوض کوثر سے میٹھا جام پینے کیلئے نبی ﷺ کی شفاعت اور جنت میں اعلیٰ مراتب کے حصول کیلئے بھی صرف اتنے ہی دین پر عمل کر لینا کافی ہے۔ یاد رکھیے! عقل وخرد کی تمام قوتیں دین کے تابع ہیں۔ دین عقل کے تابع نہیں۔ مثال کے طور پر کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اسلام نے یہ اصول بیان کیا ہے لیکن میری عقل اسے تسلیم نہیں کرتی اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دین میں نقص ہے بلکہ اس کی ذہنی پرواز یہاں ختم ہوگئی ہے۔ اسلام کا بیان کردہ اصول سو فیصد درست ہے۔ ہاں اس کی سوچ کی قوتیں اتنی محدود تھیں کہ اسے سمجھ نہیں سکیں۔ اسی طرح دین اسلام تمام ادیان سے افضل اس اعتبار سے بھی ہے کہ اس میں ہر دور، ہر زمانہ اور ہر ماحول کی رہنمائی کرنے کی بھرپور قوت موجود ہے اس میں قدرت نے اتنی لچک رکھی ہے کہ جیسے جیسے زمانہ ترقی کرتا

جا رہا ہے ویسے ویسے دینی رہنمائی کی زیادہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور اس کا دامن راہنمائی بھی پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے نبی ﷺ نے زندگی گزارنے کے تمام اصول بیان فرما دیئے ہیں۔ اب اگر کوئی دین سے ہٹ کے اپنی محدود انسانی سوچ سے کوئی عمل تراش کے اسے دین میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی جانب دعوت دیتا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق ایسا شخص اپنے عمل سے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچانے میں خیانت کی ہے اس لئے کہ اللہ نے فرما دیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ [المائدة : ٦٧]

"اے رسول ﷺ! جو آپ پر آپ کے رب نے نازل فرمایا ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہ کیا"

ایک مسلمان کا پختہ یقین ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات لوگوں تک پہنچا کے رسالت کا حق ادا فرما دیا اب اپنے ذہن سے تراش کے کوئی عمل دین کی جانب منسوب کرنا اس اعلان کے مترادف ہے کہ نبی ﷺ سے نعوذ باللہ یہ کام رہ گیا تھا جسے میں بیان کر رہا ہوں۔

اس لئے کتاب وسنت کو چھوڑ کے کوئی بھی عمل کرنا اور اسے دین سمجھنا نہ افضل ہے نہ قبولیت کی شرائط کو پہنچتا ہے۔ میرے بعض محترم بھائیوں نے شاید ناسمجھی کی وجہ سے ماہ صفر کے ساتھ ایسی چیزیں منسوب کر دی ہیں جن کا دین اسلام سے تعلق نہیں ہے اور نہ ہی پیارے مدنی تاجدار ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے صرف اصلاح کی نیت سے میں وہ چیزیں مختصراً آپ کے سامنے ذکر کروں گا۔ میرے عزیز بھائیو! اگر یہ حق باتیں آپ کو گراں محسوس

ہوں تو میں اس کی معذرت چاہتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ آج اگر مغربی تہذیب نے
مسلمانوں کو دین سے دور کر دیا ہے تو ان کی سوچ پہ تالے لگا کے ان پر تحقیق کے دروازوں کو
بھی بند کر دیا ہے۔

ماہ صفر کی وجہ تسمیہ:

صفر اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے۔ حرمت والے چار مہینے ہیں:

۱۔ رجب
۲۔ ذوالقعدہ
۳۔ ذوالحجہ
۴۔ محرم

ان چار مہینوں میں عرب والے جنگ نہیں کرتے تھے۔ تلواروں کو بند کر لیتے اور اپنے
گھروں میں آرام کرتے لوٹ مار سے رک جاتے اور اپنے دشمنوں سے بے خوف ہو جاتے
آخری حرمت والے تین مہینے یعنی ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم الحرام چونکہ ایک دوسرے کے
پیچھے اکٹھے آتے تھے۔ اسلئے جیسے ہی یہ مہینے ختم ہوتے اور صفر کا آغاز ہوتا عرب والے لڑائی
بھڑائی کیلئے پھر گھروں سے سفر کو روانہ ہو جاتے اور گھروں کو خالی چھوڑ جاتے اسی مناسبت
سے اس ماہ کو صفر کہا جانے لگا جیسا کہ عرب والے کہتے ہیں صفر المکان (مکان خالی ہو گیا)
گویا ماہ صفر کے آغاز پر ہی لڑائیوں کی ابتداء ہو جاتی' گھر خالی رہ جاتے۔ اسلئے عرب
والے ظہور اسلام سے قبل صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھتے تھے۔

ماہ صفر اور موجودہ عمل:

عرب والے دور جاہلیت میں صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھتے تھے اور آج کے اس ترقی یافتہ
دور میں بعض مسلمان بھائی صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھتے ہوئے شادی بیاہ نہیں کرتے لڑکیوں کو

رخصت نہیں کرتے' سفر کرنا نا مبارک سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض اس من گھڑت نحوست کو دور کرنے کیلئے چنوں کو ابال کر گھنگھنیاں تقسیم کرتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس سے نحوست اور بے برکتی دور ہو جاتی ہے۔ یہ سب باتیں خود ساختہ توہمات کا نتیجہ ہیں جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں' ان تمام غلط عقائد کو ہمارے پیر و مرشد حضرت محمد ﷺ کی یہ حدیث مبارک رد کرتی ہے:

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ.... » ①

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مرض کا متعدی ہونا نہیں (یعنی اللہ کے حکم کے بغیر کوئی مرض دوسرے کو نہیں لگتا) اور نہ بدفالی ہے نہ ہامہ اور نہ صفر۔"

<u>حدیث کی تشریح</u>: ولا طیرہ کا مطلب یہ ہے کہ بدشگونی لینا جائز نہیں عرب کے لوگوں کو یہ عادت تھی کہ کسی کام کو نکلتے یا کسی جگہ جانے کا ارادہ کرتے تو پرندہ یا ہرن کو چھچھکارتے اگر وہ دائیں جانب بھاگتا تو اسے مبارک سمجھتے اگر بائیں جانب جاتا تو اس کام کو اپنے لئے نفع بخش نہ سمجھتے اور اس کے کرنے سے رک جاتے۔ نبی ﷺ نے اس توہم پرستی سے روک دیا۔

ولا ھامہ کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے اگر کسی شخص کو قتل کر دیا جائے تو اس کی کھوپڑی سے ایک جانور نکلتا ہے جس کا نام ھامہ ہے وہ ہمیشہ ان الفاظ میں فریاد کرتا رہتا ہے "مجھے پانی دو" جب تک قاتل کو قتل نہ کر دیا جائے وہ فریاد کرتا رہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہامہ سے مراد اُلو ہے' عرب والے سمجھتے تھے جس گھر پر اُلو آ کر بیٹھ جائے اور بولے تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے یا کوئی اس گھر سے مر جاتا ہے۔ یہ اعتقاد ہمارے زمانہ میں

---

① صحيح بخاري، كتاب الطب باب : ٤١٥ ـ

بھی پایا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اسکو بھی باطل قرار دیا ہے۔

ولا صفر کے متعلق مختلف اقوال ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ اس سے مراد صفر کا مہینہ ہے جو محرم کے بعد آتا ہے۔ عوام اس کو منحوس سمجھتے اور اسے آفات کا موجب سمجھتے تھے اس لئے یہ اعتقاد بھی نبی ﷺ نے باطل قرار دیا ہے اور فرمایا: ''صفر میں کوئی نحوست نہیں ہے۔''

نحوست اسلام کی نظر میں:

ماہ وسال' لیل ونہار اور وقت کے ایک ایک لمحے کے خالق اللہ رب العزت ہیں اللہ تعالٰی نے کسی دن یا کسی گھڑی کو منحوس قرار نہیں دیا۔ ہاں جو حادثہ یا واقعہ تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے وہ تو ہو کر ہی رہنا ہے اگر کسی دن کوئی حادثہ یا غمناک واقعہ رونما ہو جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ دن منحوس ہے۔ اصل میں ایسے تو ہمانہ خیالات غیر مسلم اقوام کے ذریعہ ہم میں داخل ہوئے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کے ہاں شادی کرنے سے پہلے دن اور وقت متعین کرنے کیلئے پنڈتوں سے پوچھا جاتا ہے وہ اگر رات ساڑھے بارہ بجے کا وقت مقرر کر دے تو اسی وقت شادی کی جائے گی' اس وقت سے آگے پیچھے شادی کرنا بدفالی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح مغربی دنیا تیرہ (۱۳) کے عدد کو منحوس سمجھتی ہے۔ یہی فاسد خیالات مسلم قوم میں درآئے ہیں اسلئے صفر کی خصوصاً ابتدائی تیرہ تاریخوں کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ ان ابتدائی تاریخوں کو تیرہ تیزی کہتے ہیں ان کی نحوست کو زائل کرنے کیلئے مختلف عملیات کئے جاتے ہیں۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں دین اسلام کے روشن صفحات ایسی توہمات سے پاک ہیں اور دنوں میں سے کسی دن کو منحوس سمجھ کے شادی سے رک جانے کی بھی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ عرب والے شوال کے مہینہ کو منحوس سمجھ کے اس میں شادی نہیں کیا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے اس خیال باطل کو ختم کرنے کیلئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شوال کے مہینہ میں شادی کی چنانچہ ایک موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا: ''میری شادی بھی شوال میں ہوئی اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی اگر یہ منحوس ہے تو مجھ سے زیادہ نصیبے والی کون عورت ہے۔''

یعنی گھریلو زندگی مجھ سے زیادہ کامیاب کس کی گزری؟ اسلئے پیارے مسلمان بھائیوں کو قطعاً دل سے یہ خیال نکال دینا چاہیے کہ ماہ وسال میں کوئی دن منحوس بھی ہوسکتا ہے اور جو ایک روایت پیش کی جاتی ہے:

«یَوْمُ الْاَرْبِعَاءِ یَوْمُ نَحْسٍ مُسْتَمِرٌّ»

''بدھ کا دن برقرار رہنے والا منحوس دن ہے۔''

امام صاغانی اور ابن الجوزی نے اسے موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے اسکی کوئی اصل نہیں۔

بلکہ کسی دن یا کسی مہینہ کو منحوس کہنا درحقیقت اللہ رب العزت کے بنائے ہوئے اس زمانہ میں جو لیل ونہار پر مشتمل ہے نقص اور عیب لگانے کے مترادف ہے اور اس چیز سے نبی ﷺ نے ان الفاظ میں روک دیا ہے:

«قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یُؤْذِیْنِی ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِیَ الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ» ①

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا! آدم کا بیٹا مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ میں زمانہ ہوں میرے ہاتھ میں حکم ہے میں ہی دن اور رات کو بدلتا ہوں۔''

معلوم یہ ہوا کہ دن رات اللہ کے پیدا کردہ ہیں کسی کو عیب دار ٹھہرانا خالق ومالک کی کاریگری میں درحقیقت عیب نکالنا ہے۔

ماہ صفر کا آخری بدھ اور سیر وسیاحت:

صفر کے آخری بدھ کی نسبت یہ بات مشہور ہے کہ اس دن نبی ﷺ کو بیماری سے صحت ملی انہوں نے غسل صحت فرمایا اور سیر و سیاحت کیلئے شہر سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے بعض لوگ سنت نبوی سمجھتے ہوئے آخری بدھ کو کاروبار بند کر کے خوبصورت

① بخاری و مسلم۔

کپڑے پہن کے سیر وسیاحت کیلئے نکل جاتے ہیں پارکوں اور کھیتوں میں سیر وسیاحت کے بعد جب وہ گھر لوٹتے ہیں تو شیرینی حلوہ پوریاں یا گندم کو ابال کر بچوں اور غرباء میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ بھائی ان کاموں کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور اپنے تئیں اسے محبت رسول اللہ ﷺ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ساری بات من گھڑت ہے اور جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ ان دنوں رحمت عالم ﷺ کے مرض نے شدت اختیار کی تھی اور پھر اس بیماری کی وجہ سے ربیع الاول میں آپ ﷺ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

ماہ صفر کے آخری بدھ سے متعلقہ اس سیر وسیاحت کے متعلق آیئے امام اہل سنت احمد رضا خان فاضل بریلوی کے فتویٰ کو پڑھ لیتے ہیں۔

احمد رضا خان فاضل بریلوی کا فتویٰ

(احکام شریعت حصہ دوم صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴)

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز رسول کریم ﷺ نے مرض سے صحت پائی تھی بنا بریں اس روز کھانا وشیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں .... مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں کہیں اس روز کو نحس و نامبارک جان کر پرانے برتن گلی میں توڑ ڈالتے ہیں اور تعویذ و چھلہ چاندی اس روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ ﷺ مریضوں کو استعمال کراتے ہیں یہ جملہ امور شرع میں ثابت ہیں یا نہیں؟

جواب: آخری چہار شنبہ (بدھ) کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن حضور ﷺ کے صحت پانے کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتنوں کو توڑ دینا گناہ اور اضاعت مال

ہے بہر حال یہ سب باتیں بالکل بے اصل اور بے معنی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

احمد رضا خاں کے اس فتوئی سے معلوم ہوا کہ صفر کے آخری بدھ کو سیر وسیاحت کیلئے خاص کر لینا اور اسے ثواب سمجھ کر درجات کی بلندی کیلئے مختلف عملیات کرنا درست نہیں۔ آپ نے سیر وسیاحت کرنی ہے تو روزانہ کریں اسکے صحت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں نہ کریں تو بھی کوئی بات نہیں ہاں اسے کسی خاص دن ثواب کی نیت سے شریعت سمجھ کر کرنا درست نہیں ہے۔

ماہ صفر میں دیگر رائج شدہ کام:

کچھ بھائی ماہ صفر میں خاص ترتیب اور خاص مقدار میں تسبیحات پڑھتے ہوئے بعض ایسی نفلی نمازیں پڑھتے اور اس کا حکم دیتے ہیں جن کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔ پوچھنے پر وہ ''راحت القلوب'' اور'' جواہر غیبی'' کتب کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں حدیث کی کتابیں ہی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمایئے ان میں سے چند نمازیں:

☆ ماہ صفر کی پہلی رات نماز عشاء کے بعد ہر مسلمان کو چاہیے کہ چار رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ قُلْ یَا اَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ پندرہ دفعہ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد پندرہ مرتبہ پڑھے سلام کے بعد چند بار اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پڑھے پھر ستر مرتبہ درود شریف پڑھے تو اللہ تعالی اس کو بڑا ثواب عطا کرے گا اور اسے ہر بلا سے محفوظ رکھے گا۔ (راحۃ القلوب)

☆ صفر کے آخری بدھ صبح کے بعد غسل کر لے اور چاشت کے وقت دو رکعت نماز نفل پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد گیارہ گیارہ دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد پڑھے اور سلام پھیر کر یہ درود شریف ستر دفعہ پڑھے:

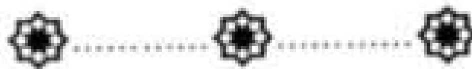
« اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ

وَسَلِّمْ » اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے : « اَللّٰهُمَّ صَرِّفْ عَنِّيْ سُوْءَ هٰذَا الْيَوْمِ وَاعْصِمْنِيْ مِنْ سُوْئِهٖ وَنَجِّنِيْ عَمَّا اَصَابَ فِيْهِ مِنْ نَحُوْسَاتِهٖ وَكَرَبَاتِهٖ بِفَضْلِكَ يَادَافِعَ الشُّرُوْرِ وَمَالِكَ النُّشُوْرِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْاَمْجَادِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ » [1]

اس طرح کی کچھ اور بھی نمازیں ذکر کی جاتی ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں فضائل الایام والشہور مولفہ نور محمد قادری چشتی)

ایسی نمازوں کا ذکر حدیث کی کسی کتاب میں بھی نہیں۔ کتب احادیث میں سے کوئی بھی کتاب اٹھا لیں اور کتاب الصلوٰۃ کھول کے تلاش کریں یہ نمازیں آپ کو کہیں بھی نظر نہیں آئیں گی۔ اللہ ہمیں خالص قرآن وسنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر کوئی بھائی واقعتاً اللہ کا قرب چاہتا ہے اجر وثواب کا خواہش مند ہے تو وہ ایسی نمازوں کی بجائے نماز تہجد پڑھ لے نماز اشراق اور دیگر نفلی نمازیں جن کا بیان احادیث مبارکہ میں آیا ہے ان کو ادا کر لے اللہ رحیم وکریم نامہ اعمال کو ثواب سے بھر دیں گے اور یاد رکھیے!

قرآن وحدیث کو چھوڑ کے اپنی طرف سے بنائی ہوئی نمازوں کے ادا کرنے میں نہ اطاعت مصطفیٰ ﷺ ہے اور نہ اجر وثواب۔ اسی طرح کسی مہینہ کو منحوس قرار دے کر اس میں شادی بیاہ اور خوشی کے کاموں کو خود پر حرام کر لینا دین میں سختی پیدا کرنے کے مترادف ہے جبکہ دین انسان پر آسانی چاہتا ہے۔



---

[1] جواہر غیبی، فضائل الایمان و المشہور۔


عید میلاد النبی ﷺ
تاریخ کے آئینے میں

مروجہ عید میلاد النبی ﷺ تاریخ کے آئینہ میں

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ پیغمبر کائنات ﷺ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو انہوں نے دین کو ناقص نہیں چھوڑا' بلکہ جو انہیں اللہ بزرگ و برتر کی جانب سے پیغام ملا' مکمل لوگوں تک پہنچا دیا اور اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانا ان کا فرض تھا' اس لئے کہ انہیں اللہ کی جانب سے حکم ملا تھا:

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ [المائدة : ٦٧]

"اے (اللہ کے) رسول ﷺ! جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل ہوا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجئے' اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔"

ہمیں کامل یقین ہے کہ نبی ﷺ نے پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچا کے رسالت کا حق ادا کر دیا ہے۔ گویا دین اسلام میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ اب اگر ہم دین سے کوئی چیز نکالتے ہیں تو اس میں نقص پیدا کرنے کا جرم ہم پر عائد ہوتا ہے اگر اس میں مزید کوئی چیز داخل کرتے ہیں تو اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ اسی لئے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

« مَنِ ابْتَدَعَ فِي الْاِسْلَامِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا

خَانَ الرِّسَالَةَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ يَقُوْلُ: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا» ①

جس نے دین میں کوئی نیا کام ایجاد کیا اور اسے اچھا سمجھا اس نے یہ گمان کیا کہ محمد ﷺ نے رسالت میں خیانت کی' اس لئے کہ اللہ نے فرما دیا ہے:

''میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر کے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرما لیا۔''

معلوم یہ ہوا کہ جتنا دین ہمیں پیارے پیغمبر ﷺ دے گئے ہیں صرف اتنے پر ہی عمل کرنے سے انسان جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ محبت رسول ﷺ کا اظہار بھی اگر کوئی کرنا چاہتا ہے تو اسے بھی خالص اس دین پر عمل کرنا ہوگا۔ اس میں کمی کرے گا تو بھی مجرم ہے' زیادتی کرے گا تو بھی مجرم' لیکن ہمارے بعض بھائی لاعلمی کی بنا پر یا لاشعوری طور پر محبت رسول ﷺ میں ایسے کام کر بیٹھتے ہیں' جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے کاموں کا کرنا دین میں زیادتی ہے۔ ان ہی کاموں میں ایک مروجہ عید میلاد النبی ﷺ کا دن ہے' جسے ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو یوں منایا جاتا ہے کہ یکم ربیع الاول سے ہی مساجد اور مدارس کے طالب علم الٹی ٹوپیاں اور برتن اٹھائے راستوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے رسول اللہ ﷺ کے میلاد کیلئے ایک ایک دو دو روپیہ مانگتے ہیں۔ پھر ۱۲ ربیع الاول کو اس جمع شدہ رقم کا ختم دلایا جاتا ہے' جلوس نکالے جاتے ہیں' اہالیان جلوس پر لوگ پھول اور پھل نچھاور کرتے ہیں' سبیلیں لگتی ہیں' جانوروں کی سہرا بندی کی جاتی ہے۔ منچلے نوجوان دن کے وقت پگڑیاں باندھ کر نقلی داڑھی مونچھیں لگائے گلی محلوں میں باجے اور شہنائیاں بجاتے ہیں۔ جب رات کا اندھیرا پھیلنے لگتا ہے تو سماع کی محفلیں اور ناچ گانے شروع ہو جاتے ہیں اور روضہ رسول ﷺ کے ماڈل' کھلونے اور پہاڑیوں کی نمائش لگتی ہے

① اصول البدع والسنن، محمد العدوی۔

جسے مرد اور عورتیں بلا امتیاز دیکھتے ہیں۔ ان خرافات میں لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اس لئے کہ جو اُن فضولیات میں حصہ نہ لے لوگ اسے گستاخ رسول ﷺ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے اپنے نبی ﷺ کی پیدائش پر کوئی خوشی نہیں۔

محترم قارئین! اسلام نے خوشی کے دن بھی متعین فرما دیئے ہیں اور غم کے مواقع کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ اسلام کے متعین کردہ خوشی کے دنوں کے علاوہ اگر کوئی مزید دن مقرر کر کے اسے اسلام پہ چسپاں کرتا ہے اور خوشی منانے کیلئے غیر شرعی طریقے اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں بھی جواب دہ ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا جرم بھی اس پر عائد ہوتا ہے۔ ایسے ہی عید میلاد النبی ﷺ کا دن بھی ایک مخصوص طبقہ نے اپنی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ غور فرمایئے:

رسول مکرم ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی' نبوت کے بعد ۲۳ مرتبہ ان کی زندگی میں یہ دن آیا' انہوں نے اپنی ولادت کا دن اس طرح نہیں منایا' خلفاء راشدین نبی ﷺ سے بڑی محبت کرنے والے تھے۔ ۱۰ھ کو رسول کائنات افوت ہوئے تو ۱۱ سے ۱۳ھ تک ابوبکرؓ خلیفہ رہے' دو مرتبہ ان کی زندگی میں یہ دن آیا۔ ۱۳ سے ۲۴ھ تک دس مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ دن آیا۔ ۲۴ سے ۳۵ھ تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گیارہ مرتبہ یہ دن آیا۔ ۳۵ سے ۴۰ھ تک پانچ مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ دن آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آخری صحابی ۱۱۰ھ کو فوت ہوئے' اس وقت تک نہ تو کسی صحابی نے یہ دن منایا اور نہ ہی خلفاء راشدین میں سے کسی نے' حالانکہ وہ ہم سب سے زیادہ نبی ﷺ سے محبت کرنے والے تھے۔ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر موجود ہے۔ آدم علیہ السلام کی ولادت کا ذکر موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا ذکر موجود ہے۔ پھر بھی نبی ﷺ نے کسی کے تذکرہ میلاد کیلئے کوئی تاریخ مقرر فرمائی اور نہ جشن منایا' نہ جھنڈیاں لگائیں اور نہ چراغاں کیا۔ آج ہم سب مل کر

نبی ﷺ کے ایک صحابی کی محبت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر واقعی یہ دن کوئی حقیقت رکھتا تو نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کبھی بھی اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین کو دیکھئے تو آخری تابعی ۱۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت تک میلاد کا کوئی ثبوت نہیں۔ تابعین کے بعد تبع تابعین کا دور آتا ہے جو ۲۲۰ھ میں ختم ہوا' اس وقت تک میلاد منانے والا کوئی نہیں تھا۔ ...... بالفرض صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے دور کو ہم چھوڑ دیں کہ مقلد امام کی تقلید کو ضروری سمجھتا ہے تو کیا پھر ائمہ دین نے اس دن کو منایا؟ آیئے دیکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے۔

امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، ۲۴۱ھ میں ہوت ہوئے۔

۲۴۱ھ تک بھی میلاد النبی کا نشان تک نہیں ملتا۔ معلوم ہوا کہ اس دن کو نہ تو نبی ﷺ نے منایا' نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تابعین و تبع تابعین نے اور نہ ہی ائمہ دین نے۔ پھر اس کا آغاز کہاں سے ہوا؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس کو شروع کرنے والا کون ہے؟ آیئے تاریخ سے پوچھتے ہیں۔

عید میلاد النبی ﷺ کی تاریخی حیثیت

میلاد النبی ﷺ کی عید منانے کا آغاز ملک المعظم مظفر الدین کوکبوری نے کیا۔ یہ شخص ۵۸۶ھ میں شہر اربل کا گورنر مقرر ہوا اور ۶۰۴ھ میں اس نے محفل میلاد کا آغاز کیا۔ تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے' شاہ اربل مجلس مولود کو ہر سال نہایت شان و شوکت سے مناتا تھا۔ جب اربل شہر کے ارد گرد والوں کو خبر ہوئی کہ شاہ اربل نے ایک مجلس قائم کی ہے' جس کو وہ

بڑی عقیدت اور شان و شوکت سے انجام دیتا ہے تو بغداد' موصل' جزیرہ سجاوند اور دیگر بلاد عجم سے گویے' شاعر اور واعظ بادشاہ کو خوش کرنے کیلئے ناچ گانے کے آلات لے کر محرم ہی سے شہر اربل میں آنا شروع ہو جاتے۔ قلعہ کے نزدیک ہی ایک ناچ گھر تیار کیا گیا تھا جس میں کثرت سے قبے اور خیمے تھے۔ شاہ اربل ان خیموں میں آتا' گانا سنتا اور کبھی کبھی مست ہو کر ان گویوں کے ساتھ خود بھی رقص کرتا تھا۔ ①

جب محفل میلاد کا چرچا ہوا تو کمزور ایمان والے خوشامدی اکٹھے ہو گئے۔ علماء سوء کا گروہ ہر دور میں موجود رہا۔ اس وقت بھی ایک مشہور عالم دین ابن دحیہ تھا وہ خراسان جا رہا تھا کہ اربل شہر سے گزرا اسے پتا چلا کہ یہاں کے بادشاہ نے ایک مجلس میلاد ایجاد کی ہے جس سے اسے انتہائی رغبت ہے۔ ابن دحیہ نے مال و دولت کے لالچ میں میلاد کی تائید کیلئے ایک رسالہ "التنویر فی مولد السراج المنیر" لکھا۔ پھر بادشاہ تک رسائی حاصل کی اور دربار میں پڑھ کر سنایا' شاہ اربل نے خوش ہو کر ایک ہزار اشرفی بطور انعام کے دی۔ ②

گھر کی گواہیاں

میلاد منانے والا طبقہ خود بھی جانتا ہے کہ اس محفل کا آغاز اسلام میں چھ سو سال بعد ہوا۔ اس کا انہیں اعتراف بھی ہے لیکن پھر بھی سادہ لوح عوام کو دھوکے میں رکھ کر اس محفل کو مقدس عبادت کا نام دے کر پیٹ پوجا کر رہے ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ شہنشاہان دنیا میں سب سے پہلے اربل کے بادشاہ نے میلاد شریف منانے کا اہتمام کیا اور وہ بزرگ اور سخی حکمرانوں میں سے تھا۔ شیخ ابن دحیہ نے میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ایک رسالہ "التنویر فی مولد البشیر النذیر" لکھ کر بادشاہ کو پیش کیا تو اس نے اسے ایک ہزار دینار انعام دیا۔ ایک شخص ایک دفعہ شاہ اربل کے پاس محفل

---

① تاریخ ابن خلکان، ص : ۲۷٤، جلد ۳ ۔

② حسن المقصد فی عمل المولد از امام سیوطی۔

میلاد کے دستر خوان پر حاضر ہوا تو اس نے بیان کیا کہ اس دستر خوان پر پانچ ہزار بھنے ہوئے بکرے' دس ہزار روسٹ مرغیاں' ایک لاکھ نان' ایک لاکھ کھانے سے بھرے ہوئے مٹی کے پیالے اور تیس ہزار مٹھائی کی طشتریاں تھیں اور بادشاہ ہر سال محفل میلاد پر تیس لاکھ دینا خرچ کرتا تھا۔ ①

۲۔ یہ درست ہے کہ جس بڑے پیمانے پر آج کل عید میلاد النبی منائی جاتی ہے اس طرح صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں نہیں منائی گئی' بلکہ کئی صدیوں تک اس کا نشان نہیں ملتا۔ تاریخی نقطہ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ مجالس میلاد یا مجالس ذکر و شغل کی طرف مسلمانوں کی زیادہ تر توجہ اس وقت ہوئی جب ضروریات اسلام سے فراغت پاکر مسلمان اپنی حکومت اور اسلامی ترقیات سے بہرہ ور ہوکر آرام سے زندگی بسر کرنے لگے اور غیر اقوام کے میل جول نے ان کو اس امر کی طرف مجبور کیا کہ جس طرح وہ لوگ اپنے اسلاف کی یادگاریں قائم کرتے ہیں اسی طرح ان کے دوش بدوش مسلمان بھی اسلامی شان و شوکت کا اظہار کریں۔ ②

معلوم ہوا کہ یہ بھائی جانتے ہیں کہ میلاد کا آغاز اسلام میں چھ سو سال بعد ہوا' اس سے قبل اس کا وجود نہیں تھا اور غور فرمایئے ان کے نزدیک مسلمانوں نے میلاد کی جانب توجہ اس وقت دی جب اپنی حکومت اور اسلامی ترقی سے بہرہ ور ہوکر وہ آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ کب مسلمان جہاد کو چھوڑ کے آرام سے زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اس لئے کہ ترقیات اسلام کا دروازہ تو مسلمان ہمیشہ ہی نوک شمشیر سے کھولتے رہے' انہیں اتنا وقت ہی کب تھا کہ دستہء شمشیر کو چھوڑ کے ایسی فضولیات میں حصہ لیتے اور کیا اب پاکستان کے مسلمان اسلامی ترقی سے بہرہ ور ہوکے آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں؟ محفل میلاد کے انعقاد میں یہ دلیل ہی باطل ہے' اس لئے کہ جب بھی مسلمان نے جہاد چھوڑ

---

❶ منهاج القرآن ستمبر ۱۹۹۱ص ۱۹ ۔

❷ ماهنامه ضيائے حرم دسمبر ۱۹۸۹ء زير سرپرستي محمد كرم شاه الازهري ۔

کر یہ سمجھ لیا کہ اسلام ترقی کر چکا ہے' اب آرام سے ایسی محافل منانی چاہئیں۔ اسی وقت ان کی تباہی کا دور شروع ہو گیا۔

اب ہم میلادی طبقہ کی کتابوں ہی سے پیش کرتے ہیں کہ پاکستان کے شہروں میں میلاد کا آغاز کب ہوا؟

لاہور میں میلاد کا آغاز

لاہور میں میلاد النبی ﷺ کا جلوس سب سے پہلے ۵ جولائی ۱۹۳۳ء بمطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ کو نکلا۔ یہ جلوس ۱۹۴۰ تک باقاعدہ نکلتا رہا۔ ①

راولپنڈی میں میلاد کا آغاز

راولپنڈی میں عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات کے حوالے سے حکیم محمد ایوب حسن لکھتے ہیں کہ راولپنڈی میں یہ سلسلہ ایک مدت سے جاری ہے۔ اس کی ابتداء اس زمانے میں ہوئی جب پٹی ضلع لاہور سے شائع ہونے والے ہفت روزہ ایمان کے ایڈیٹر مولانا عبدالمجید قریشی نے یہ تحریک شروع کی کہ سارے ملک میں سیرۃ النبی ﷺ کمیٹیاں قائم کی جائیں۔ ②

ہندوستان میں اس دن کو میلاد النبی ﷺ کی بجائے ۱۲ وفات کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ چونکہ وفات کا نام ایسا تھا کہ اس دن ہلڑ بازی اور تماش بینی کی محفلوں کا انعقاد ممکن نہیں تھا اس لئے آہستہ آہستہ اسے عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے تعبیر دیا۔ دیکھئے میلادی طبقہ کی مشہور کتاب ''سیرت رسول عربی'' مصنف علامہ نور بخش توکلی' اس میں لکھا ہے:

''بارہ ربیع الاول کو عام طور پر بارہ وفات کہا جاتا تھا۔ یہ حضرت علامہ توکلی کی کوششوں کا

---

❶ روزنامہ کوھستان لاھور عید میلاد ایڈیشن ۲۲ جولائی ۱۹۶٤ء۔

❷ کوھستان ۱۹٦٤ حکیم محمد ایوب حسن کا مضمون راولپنڈی میں میلاد النبی ﷺ۔

نتیجہ ہے کہ گورنمنٹ کے گزٹ میں اسے عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے منظور کروایا۔"①

عید میلاد کس دن منائیں

عید میلاد النبی ﷺ کو عید ثالث کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ لیکن عام آدمی بھی جانتا ہے کہ عید کے دن میں اختلاف نہیں ہوتا۔ مثلاً عید الفطر یکم شوال کو ہوتی ہے' کبھی کسی نے نہیں کہا کہ اس مرتبہ عید ۵ شوال کو ہوگیا یا ۲۸ رمضان کو ہوگی' ایسے ہی عید الاضحیٰ ۱۰ ذوالحج کو ہوتی ہے' کبھی کسی نے نہیں کہا کہ اس مرتبہ عید الاضحیٰ ۴ یا ۵ ذوالحج کو منائیں گے۔ اس لئے کہ ان عیدوں کا اسلام نے ایک دن متعین فرمایا ہے۔ شروع اسلام سے لے کر آج تک ان دونوں میں اختلاف نہیں ہوا' اختلاف اس میں ہوتا ہے جسے بعد میں لوگ اپنی طرف سے شروع کر دیں۔ جب ہر گروہ اپنا علیحدہ دن مقرر کرے اس لئے کہ اللہ ﷺ ور اس کے رسول ﷺ نے وہ دن مقرر نہیں کیا ہوتا یہی حال اس من گھڑت عید میلاد النبی ﷺ کا ہے کہ انسان شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ وہ اگر اسے عید سمجھ لے تو کس دن منائے! اب غور فرمایئے ہر گروہ کا علیحدہ دن ہے۔ اگر سارے عیدیں منانا شروع کر دیں تو ربیع الاول کا مہینہ عیدوں میں ہی گزر جائے۔ اس اختلاف کو ہم مختصراً آپ کے سامنے ذکر کرتے ہیں۔

۵ ربیع الاول

امیر الدین نے "سیرت طیبہ" میں لکھا ہے:

"قول مختار یہ ہے کہ پانچ ربیع الاول کو آپ پیدا ہوئے۔"②

---

❶ سیرت رسول عربی ﷺ مقدمہ عبدالحکیم شرف قادری جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔

❷ امیر الدین، سیرت طیبہ۔ ص: ۷٦، مدرسہ تعلیم القرآن نواں شہر ملتان۔

۸ ربیع الاول

حافظ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ نے لکھا ہے کہ جمہور قول یہ ہے کہ آٹھ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی۔ ①

۹ ربیع الاول

برصغیر کے اکثر سیرت نگاروں نے ۹ ربیع الاول کو یوم ولادت قرار دیا ہے۔ چند ایک حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

☆ ہمارے نبی موسم بہار دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ ②

☆ ۹ ربیع الاول ۵۷۱ء بروز سوموار بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔ ③

☆ عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل ۵۷۱ھ ۹ ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر فرزند تولد ہوا۔ بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کی پیدائش کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود کو خانہ کعبہ لیجا کر اس کیلئے دعا مانگی۔ ④

☆ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاول دوشنبہ کی مبارک صبح کو قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں مصروف تھے کہ آج دعائے خلیل اور نوید مسیحا مجسم بن کر دنیا میں ظاہر ہوگی۔ ⑤

اس طرح ابوالکلام آزاد نے ''رسول رحمت'' ڈاکٹر اسرار احمد نے رسول کامل صفحہ ۲۳ اور

---

① زادلمعاد ج ص :٦٨ مترجم رئیس احمد جعفری۔
② رحمة اللعالمین قاضی سلیمان منصور پوری ج ص : ۷۲۔
③ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی حصہ اول ص : ۷۲۔
④ تاریخ اسلام معین الدین احمد ندوی ج ص : ۲۵۔
⑤ محبوب خدا، چوهدری افضل حق ص : ۲۰۔

حفظ الرحمٰن سوہاری نے قصص القرآن جلد ۴ میں ۹ ربیع الاول کو پیدائش کا دن ٹھہرایا۔

۱۰ ربیع الاول

ماہ ربیع الاول کی دس راتیں گزری تھیں کہ دوشنبہ کے دن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ ①

۱۲ ربیع الاول

واقعہ فیل کے پچپن روز بعد ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔ ②

☆ ۱۲ ربیع الاول کو حضور ﷺ رونق افروز گیتی ہوئے۔ ③

☆ ۱۲ ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت مکہ مکرمہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ④

۱۷ ربیع الاول

شیعہ کے نزدیک نبی ﷺ کی پیدائش کا دن ۱۷ ربیع الاول ہے۔ چنانچہ سید نجم الحسن کراروی نے اپنی کتاب ''چودہ ستارے'' کے صفحہ ۲۸'۲۹ پر نبی ﷺ کی پیدائش کا دن ۹ ربیع الاول ذکر کیا ہے۔

اسی طرح مسعود رضا خاکی نے مضمون ''چودہ معصومین'' میں لکھا ہے کہ فقہ جعفریہ کے علماء کے نزدیک طے شدہ تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول ہے۔ ⑤

---

❶ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ۱۰۰ مطبوعہ بیروت ۔

❷ محمود احمد رضوی۔ دین مصطفیٰ ص : ۸٤ ۔

❸ ضیاء القرآن پیر کرم شاہ الازہری ج ۵، ص : ٦٦٥ ۔

❹ تبرکات صدرالافاضل ص : ۱۹۹، مرتبہ حسین الدین سواد اعظم لاہور ۔

❺ البشر، ماھنامہ لاھور ھادی انسانیت نمبر فروری ۱۹۸۰ء ص : ۵۰ ۔

۱۰ محرم

پیر عبدالقادر جیلانی کے نزدیک ولادت کا دن ۱۰ محرم ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں یوم عاشورہ (دس محرم) کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس دن دس نبیوں کو دس فضائل سے مخصوص فرمایا۔ حضرت آدم کی توبہ قبول فرمائی' حضرت ادریس کو اونچے مقام پر ٹھہرایا' حضرت نوح کی کشتی کو جودی پہاڑ پر ٹھہرایا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا' حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی' حضرت سلیمان علیہ السلام کو دوبارہ ملک عطا فرمایا' حضرت ایوب علیہ السلام کو پرانی بیماری سے شفاء بخشی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے نجات دلائی' حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا اور ہمارے محبوب نبی محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ ①

ہم نے مختصر اختلاف آپ کے سامنے ذکر کر دیئے ہیں۔ اب اگر سارے گروہ اپنی اپنی عید منانا شروع کر دیں تو ملک میں ہنگامہ بپا ہو جائے۔ آج صحیح العقیدہ سلفی لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ یہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں مناتے۔ ہم کہتے ہیں یہ کیسی عید ہے کہ ہر گروہ نے علیحدہ دن مقرر کر رکھا ہے۔ پھر اس میلادی طبقہ سے کوئی یہ تو پوچھے کہ تم عید میلاد ۱۲ ربیع الاول کو مناتے اور پیر عبدالقادر جیلانی ولادت کا دن ۱۰ محرم قرار دیتے ہیں۔ اس طرح تو تم پیر صاحب کی حکم عدولی اور نافرمانی کرتے ہو۔ پیر صاحب کی اطاعت و فرمانبرداری تو تب ہو گی اگر تم ۱۰ محرم کو بھی جلوس نکالو۔ شیعہ اس دن امام حسین رضی اللہ عنہ کے ماتم میں جلوس نکالیں اور تم آقا مکی و مدنی کی پیدائش پہ جلوس نکالو۔

اگر ایک لمحہ کیلئے مان بھی لیا جائے کہ یہ عید کا دن ہے تو بھائیو! وہ کون سی عید ہے جس میں جانوروں کی پیٹھ پر بیٹھ کر جلوس نکالے جاتے ہیں۔ گدھوں' گھوڑوں کی سہرا بندی کی جاتی ہے اور کیا خانہ کعبہ اور روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماڈل بنا کر طواف کرنا بھی جائز ہے؟ جگہ

① غنیۃ الطالبین حصہ دوم ص: ۱۲۱۔

جگہ مصنوعی پہاڑیوں پر روپیہ صرف کر کے عورتوں اور مردوں کو اکٹھا کرنا کیا دین میں پسندیدہ کام ہے؟ دن کے وقت بازاروں میں بھنگڑے ڈالنا' سیٹیاں بجانا اور رات کو ڈانس پارٹیوں کا اہتمام کرنا کیا یہ ولادت کی خوشی ہے؟ آہ! تم نے تو نعرہ تکبیر اور ہے جمالو کو اکٹھا کر دیا۔ رقص کے زاویوں اور نعت خوانی کو اکٹھا کر دیا۔ مخلوط محافل کا انعقاد کر کے گستاخ اور بے باک نظروں میں محبت رسول کو تلاش کیا۔ کاش تم جان سکو کہ جس نبی کی ولادت پر تم غیر شرعی کاموں کو فروغ دے رہے ہو ان کی ساری زندگی ایسی چیزوں کو ختم کرنے میں گزری۔ شورش مرحوم نے اسی حالت کو دیکھ کر لکھا تھا ؎

دین قیم سرنگوں' نالہ بلب روح حجاز
مفتیان دین بازاری کے ذوق خام پر
جھنڈیوں کے جھرمٹوں میں قمقموں کی پیچ و تاب
زاویے بنتی ہیں رعنائیاں ہر گام پر
بج رہے ہیں ڈھول تاشے تالیاں چمٹے رباب
کس مزے سے عید میلاد النبی کے نام پر
کٹ کھنوں کے ہاتھوں میں میرِ امم کا تذکرہ
عرش عظیم کانپتا ہے اس مذاق عام پر

آج عید میلاد النبی پہ جو چیزیں نظر آتی ہیں وہ یہ ہیں چمٹے' سارنگیاں' باجے' شہنائیاں اور ڈھولکیاں۔ نقلی داڑھی موچھیں' مصنوعی پہاڑیاں' کھلونے جھنڈیاں اور گدھے گھوڑے۔ اسی طرح ڈانس پارٹیاں' قوالیاں اور ناچ بھنگڑے کی محفلوں میں مرد و زن کی بلا امتیاز شرکت ...... یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ اگر ان چیزوں کا نام محبت رسول ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کس چیز کا نام ہے؟ آج یہ کیسی دردناک صورت حال ہے کہ ہم ان چیزوں میں محبت رسول ﷺ تلاش کر رہے ہیں۔ جن کو رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

اے کاش ہم سمجھ سکیں اور ہمارے ضمیر ہمیں کچھ ملامت کر سکیں۔

میلاد منانے والوں کے دلائل:

محفل میلاد کے قائلین میں امام سیوطی رحمہ اللہ کا شمار متقدمین میں ہوتا ہے ان کے موقف کو میلادی بھائی بڑے شدومد کے ساتھ بیان کرتے ہیں، ذیل میں ہم ان کا موقف اور اس پر الشیخ ابوبکر جابر الجزائری کا رد پیش کر رہے ہیں، اصل متن عربی میں تھا جسے مشتاق احمد ندوی نے اردو قالب میں ڈھالا ہے۔

محفل میلاد اور امام سیوطی رحمہ اللہ کا رد:

شیخ ابوبکر لکھتے ہیں جب میلاد کی بدعت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی اور بہت سے جاہلوں کے عقیدے کا جزو بن گئی تو بعض اہل علم جیسے سیوطی رحمہ اللہ نے ضروری سمجھا کہ کوئی شبہ تلاش کر لیا جائے جس سے اس بدعت کے جواز پر استشہاد کیا جا سکے اور عوام و خواص کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائے اور دوسری طرف علماء کا اس سے رضامند ہونے اور اس پر حکام وعوام کے ڈر سے خاموش رہنے کا جواز نکل آئے یہاں ہم وہ شبہات اور ان کا ضعف وبطلان نقل کرتے ہیں۔تمام شبہات کی بنیاد ایک تاریخی روایت اور تین احادیث نبوی ہیں جس نے ان تمام شبہات کو ابھارا اور ان کا تمام سہرا امام سیوطی رحمہ اللہ کے سر ہے۔وہ دسویں صدی ہجری کے مشہور علماء میں سے ہیں اور یہ صدی کیونکہ فتنہ وفساد اور ابتلاء کی صدی تھی اس لئے ان کو ایسا کرنا پڑا۔غفر اللہ لنا ولہ اور عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ ان شبہات پر بڑے خوش نظر آتے ہیں اور فخریہ انداز میں کہتے ہیں ''میں نے میلاد کی شریعت میں اصل ڈھونڈ نکالی ہے'' اور یہ بات سیوطی رحمہ اللہ علیہ سے بعید بھی نہیں کیونکہ جیسا کہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''حاطب لیل'' ہے یعنی رات کی تاریکی میں ایندھن جمع کرنیوالے کی طرح ہیں جو کہ ضلاد میں جمع کر لیتا ہے۔

پہلا شبہ:

مروی ہے کہ "ابولہب (ملعون) کو خواب میں دیکھا گیا تو اس سے حالت دریافت کی گئی، اس نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں جل رہا ہوں مگر ہر پیر کی رات کو اس میں تخفیف کردی جاتی ہے اور اپنی انگلیوں کے درمیان سے اس کی مقدار پانی چوستا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے انگلیوں کے پوروں کی طرف اشارہ کیا اور یہ اس وجہ سے کہ اس کو جب اس کی باندی ثوبیہ نے اس کے بھائی عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر محمد ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تھی تو اس نے اس کو آزاد کردیا تھا اور اس باندی نے آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا۔

بطلان ورد:

اس شبہ پر کئی پہلوؤں سے رد ہے:

- ❀ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی کے خواب سے چاہے خواب دیکھنے والا ایمان وعلم، تقویٰ وورع کے کسی بھی مقام پر ہو کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، سوائے نبی کے اس لئے کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور وحی حق ہے۔
- ❀ اس خواب کو دیکھنے والے عباس بن عبدالمطلب ہیں اور جس نے ان سے روایت کی وہ بالواسطہ روایت کرتے ہیں اس طرح یہ حدیث مرسل ہوئی اور مرسل حدیث حجت نہیں ہوتی اور نہ اس سے کوئی عقیدہ وعبادت ثابت ہوتی ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عباس نے یہ خواب اسلام لانے سے پہلے دیکھا ہو اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ کافر کا خواب حجت نہیں۔
- ❀ سلف وخلف میں سے اکثر اہل علم کا قول ہے کہ کافر اگر کفر پر مرا تو اس کو اس کے نیک اعمال کا کوئی ثواب نہیں ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے:

﴿ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴾ [الفرقان]

"اور ہم (اس روز) ان کے (یعنی کفار کے) ان (نیک) کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا بیکار کردیں گے جیسے پریشان غبار۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴾ [الكهف]

"یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں کا (یعنی کتب الہیہ کا) اور اس سے ملاقات کا انکار کررہے ہیں سو (اس لئے) کہ ان کے سارے کام غارت ہوگئے، تو قیامت کے روز ہم (ان کے نیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عبداللہ بن جدعان کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ ہر حج کے موسم میں ایک ہزار اونٹ ذبح کرتا تھا ایک ہزار جوڑے تقسیم کرتا تھا اور اس نے اپنے گھر میں حلف الفضول کی دعوت بھی دی تھی کیا یہ چیزیں اس کے کچھ کام آئیں گی تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، اس نے کسی دن پوری عمر میں ﴿ رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنَ ﴾ نہیں کہا، اس روایت سے اس خواب کی عدم صحت کی مزید تائید ہوگئی۔

❀ اور جو ابولہب اپنے بھائی کے گھر ولادت سے خوش ہوا تو یہ ایک فطری و طبعی خوشی تھی اس میں عبادت کی نیت نہ تھی کہ ہر انسان جب اس کے گھر یا اس کے کسی عزیز یا بھائی کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب خوشی اللہ کے لئے نہیں تو پھر اس پر ثواب بھی نہیں اس سے بھی اس روایت کی کمزوری و بطلان معلوم ہوگیا۔

اس کے ساتھ پھر یہ بات بھی ہے کہ مومن کی خوشی اپنے نبی سے ایک مستقل و دائمی ہے جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ محبت کا لازمی نتیجہ ہے، اب اس کے لئے

ایک سالانہ یادگار منانے اور بنانے کے کیا معنیٰ؟ یقیناً ایک لغو و باطل عمل ہے اور کمزور و بے حیثیت شبہ ہے جس کی کوئی وقعت و قیمت نہیں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اس پر ایک ایسی چیز کیسے جاری کی جاسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کی بھول ونسیان کی وجہ سے نہیں بلکہ بندوں کے حال پر رحم وکرم کے سبب مشروع نہیں کی۔

دوسرا شبہ:

اس روایت میں کہ نبی ﷺ نے امت کے لئے عقیقہ جاری کرنے کے بعد خود اپنی طرف سے بھی عقیقہ کیا، باوجود یہ کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی طرف سے عقیقہ کردیا تھا اور عقیقہ ایسا فعل ہے جو دو مرتبہ نہیں کیا جاتا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسا آپ ﷺ نے اپنی ولادت کے شکرانہ میں کیا تو اس کو اصل بنا کر میلاد کی بدعت کا جاری کرنا کیا صحیح نہیں؟

یہ شبہ پہلے سے زیادہ کمزور ہے جس کا نہ کوئی وزن ہے اور نہ قیمت کیونکہ یہ صرف اس احتمال پر قائم ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی نعمت ولادت کے شکر میں عقیقہ کیا اور احتمال ظن (گمان) سے بھی کمزور چیز ہے، جب کہ ظن پر بھی احکام شریعت ثابت نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور رسول اللہ کا ارشاد ہے تم ظن سے پرہیز کرو کیونکہ ظن سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

پھر دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ کیا یہ بات ثابت ہے؟ کہ عقیقہ دور جاہلیت میں مشروع تھا اور اس پر عمل عبدالمطلب نے اپنے بھتیجے کی طرف سے عقیقہ کیا اور کیا اہل جاہلیت کے اعمال کا اعتبار اسلام میں ہوگا کہ یہ بات کہی جاسکے کہ حضور نے شکرانہ کے طور پر عقیقہ کیا، نہ کہ ایک سنت جاری کرنے کے لئے کیونکہ عقیقہ آپ کی طرف سے کیا جاچکا تھا؟

سبحان اللہ! کیا ہی عجیب و غریب استدلال ہے؟ اگر یہ بات ثابت بھی ہو کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نعمت ولادت کے شکر پر جانور ذبح کیا تھا تو اس سے یہ بات کب معلوم

ہوئی کہ آپ ﷺ کے یوم ولادت کو لوگوں کیلئے عید کا دن بنایا جائے ؟ اور اگر تھا تو خود نبی کریم ﷺ نے اس کی دعوت کیوں نہیں دی۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے عید الضحیٰ اور عید الفطر کے احکام بیان فرمائے، کیا آپ ﷺ بھول گئے یا آپ ﷺ نے نعوذ باللہ چھپایا جب کہ آپ ﷺ کو تبلیغ کا حکم تھا؟

اللہ جانتا ہے کہ نہ رسول اللہ ﷺ بھولے اور نہ آپ ﷺ نے کوئی چیز چھپائی لیکن انسان ہی کی فطرت میں سب سے زیادہ مجادلہ (بحث ومباحثہ) ہے۔

تیسرا شبہ:

اس صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا، جب آپ ﷺ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نیک دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات دی تھی۔

اس میں شبہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کو نجات کے دن شکر کے طور پر روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اور اس کا حکم دیا تو ہم کیوں نہ یوم ولادت نبی کریم ﷺ کو کھانے پینے اور تفریح کا دن بنالیں۔

ماشاء اللہ کیا ہی الٹی سمجھ ہے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے روزہ رکھا اسی طرح ہم بھی روزہ رکھیں نہ ہم رقص وسرور کے ساتھ جشن و خوشی منائیں اور کھانے پینے کی محفلیں جمائیں اور کیا اللہ تعالیٰ کا شکر ناچنے گانے اور کھانے پینے سے ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اس کا حق کب ہے کہ اپنے لئے خود کوئی اور عبادت مسنون کریں، ہمارا فرض تو صرف اتباع واطاعت ہے، رسول اللہ نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا تو اس دن روزہ رکھنا سنت ہے اور یوم ولادت کے متعلق آپ نے سکوت فرمایا تو ہم پر بھی اس طرح خاموشی لازم ہے۔

چوتھا شبہ:

اس صحیح روایت میں ہے کہ آپ ﷺ پیر و جمعرات کا روزہ رکھتے تھے اور آپ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ پیر کے دن ہی میں پیدا ہوا اسی دن آپ کو نبی بنایا گیا اور جمعرات کے روز اعمال پروردگار کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا نامۂ اعمال پروردگار کے سامنے اس حال میں پہنچے کہ میں روزے سے ہوں۔

اس میں شبہ یہ ہے کہ آپ نے پیر کا روزہ رکھا اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ "یہ وہ دن ہے جس میں، میں پیدا ہوا اور نبی بنایا گیا۔"

یہ شبہ اگرچہ پہلے شبہات سے بھی زیادہ کمزور ہے لیکن اس کی تردید کئی طرح سے ہو سکتی ہے۔

- اگر میلاد سے رسول اللہ ﷺ کی پیدائش پر اظہار شکر مقصود ہے تو معقول و منقول سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اسی طرح کیا جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا اور وہ طریقہ ہے روزہ، ہم بھی اسی طرح روزہ رکھیں جس طرح آپ نے روزہ رکھا، اور اگر یہ سوال ہو کہ روزہ کیوں؟ تو ہم کہہ سکتے ہیں آج کے دن نبی اس دنیا میں تشریف لائے اس کے شکر میں ہم روزہ رکھتے ہیں، لیکن میلاد والے روزہ تو رکھتے نہیں کہ اس میں نفس کی مخالفت ہے کہ لذت طعام و شراب چھوٹتی ہے اور ان کا یہ مقصود بھی ہے، اب دو مقاصد کا ٹکراؤ ہوا تو اپنی پسند کو اللہ و رسول کی پسند پر ترجیح دی اور یہ اہل بصیرت کے نزدیک بڑی ہی لغزش ہے۔
- رسول اللہ ﷺ نے یوم ولادت 12 ربیع الاول (اگر یہ روایت صحیح ہے) کو روزہ نہیں رکھا بلکہ پیر کے دن کا روزہ جو کہ ہر ماہ چار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ آتا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ 12 ربیع الاوّل کو کسی کام کی تخصیص شارع علیہ السلام پر استدراک ہے اور آپ کے عمل کی تصحیح کرنا ہے، اگر ایسا ہے تو کتنا ہی قبیح و مکروہ فعل ہے

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾

''اور رسول جو تم کو دے تو وہ قبول کرو اور جس چیز سے منع کرے تو رک جاؤ۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ ﷺ ورسول (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت مت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے سب (اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے افعال کو) جاننے والا ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم نئی نئی اشیاء سے پرہیز کرو ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔''

میلاد منانے والوں کے بے بنیاد دلائل کی حقیقت:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مختصر طور پر میلاد منانے والوں کے دلائل ذکر کردیں تاکہ میلاد منانے والوں کی قرآن فہمی اور حدیث فہمی آشکارا ہو جائے اور یہ دلائل درحقیقت قرآن وحدیث میں تحریف معنوی کے واضح ثبوت ہیں اور حیرت ہے کہ قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کو توڑ مروڑ کر دلائل کا نام دینے والے خود کو علماء بھی کہلواتے ہیں، ذیل میں ہم مختصراً ان دلائل کا ذکر رہے ہیں:

دلیل نمبر ①:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ﴾

[آل عمران: ۸۱]

"(اور وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں پھر کوئی ایسا رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو تو تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی۔"

اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب تمہارے پاس رسول آئے تو تم نے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنی ہے۔ میلاد منانا دین کی مدد ہے اس لئے میلاد منانا ہر بندے کے لئے ضروری ہے۔

جواب: اس آیت سے میلاد کا استدلال صریحاً معنوی تحریف ہے اس لئے کہ اس آیت کا تعلق تو عالم ارواح میں نبیوں کے وعدہ کے ساتھ ہے جیسا کہ آیت کے ابتدائی الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں نبیوں سے اس بات کا وعدہ لیا گیا تھا کہ اگر تمہارے زمانۂ نبوت کے دوران نبی ﷺ تشریف لے آئیں تو تم پر ان کی مدد کرنا اور ایمان لانا ضروری ہوگا، اس آیت کا میلاد کے ساتھ تو دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

دلیل نمبر②:

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا ﴾

[آل عمران : ١٦٤]

"اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ احسان کیا کہ جب ان میں ایک رسول بھیجا۔"

احسان کی شکر گزاری ہونی چاہیے اور جس بندے پر احسان کیا جائے وہ خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیج کر ہم پر احسان کیا ہے تو ہم اس احسان کی شکر گزاری کیلئے خوشی مناتے ہیں خوشی نہ منانا ناشکری ہے اس لئے میلاد نہ منانے والے ناشکرے لوگ ہیں۔

جواب: قارئین کرام! اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ آیت مذکورہ میں کہیں ولادت کا ذکر ہے اور نہ جشن میلاد کا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بعثت کا ذکر کیا ہے کہ رسول

بنا کر بھیجنا احسان ہے اور اسی رسالت کو بطور احسان کے ذکر کیا، پھر ہونا تو جشن بعثت چاہیے نہ کہ جشن میلاد جبکہ جشن بعثت کا کوئی بھی قائل نہیں اور کیا احسان پر جشن منائے جاتے ہیں؟ یہ کون سی منطق ہے، بالفرض اگر کسی کو ملک کا حکمران ایک کثیر رقم دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے ایک احسان ہوگا تو اب کیا وہ رقم لینے والا جلوس نکالنے نکل پڑتا ہے، ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ احسان کی شکر گزاری کیلئے اب ایسے کام کرنے کی کوشش کرے گا جو حکمران کی پسند والے ہوں، اسی طرح نبی ﷺ کو مبعوث کئے جانے پر اللہ نے جس احسان کا ذکر کیا ہے اس کی شکر گزاری کیلئے وہ عمل کرنے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کے پسندیدہ ہیں۔ یہ جشن اور بھنگڑے اللہ و رسول کی نظر میں کوئی پسندیدہ کام نہیں ہیں۔

ایک اور جواب دیا جاتا ہے کہ ولادت کا دن اس لئے منایا جاتا ہے کہ ولادت سبب بنی ہے رسالت کا، اگر ولادت ہی نہ ہوتی تو بھلا رسالت ملتی یہ بھی کتنی مضحکہ خیز بات ہے اس طرح تو ہمیں نبی ﷺ کے والد عبداللہ کا بھی میلاد منانا چاہیے کہ وہ نبی ﷺ کی ولادت کا باعث بنے اسی طرح عبدالمطلب عبداللہ کی ولادت کا سبب بنے یوں یہ سلسلہ آخر کہاں تک چلے گا؟

دلیل نمبر ③:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بیان فرماتے ہیں:

﴿ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴾

[مریم : ۳۳]

”اور سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔“

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور وفات پر اگر سلامتی کا ذکر ہوسکتا ہے تو نبی ﷺ کی پیدائش پر

سلامتی کا ذکر کیوں نہیں ہوسکتا......؟

جواب: ان سے بھلا کوئی پوچھے کہ سلامتی منانے اور سلامتی کا ذکر کرنے میں فرق ہے یا نہیں میلاد النبی پر تو سلامتی منائی جاتی ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہرگز نہیں ہے اور اس آیت میں سلامتی کا ذکر تین جگہوں پر ہوا ہے۔ (۱) پیدائش (۲) وفات (۳) حیات بعد الموت۔ اس آیت سے استدلال کرنا ہے تو جشن وفات پر بھی منایا جانا چاہیے جس کا کوئی قائل نہیں کیا ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قول سے استدلال کرتے ہوئے کرسمس ڈے کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔

دلیل نمبر ④:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ [الضحیٰ: ۱۱]

''اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے۔''

ہم میلاد النبی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس عظیم نعمت کا ذکر کرتے ہیں جو نبی ﷺ کی شکل میں عنایت ہوئی۔

جواب: یہ بھی قرآن نافہمی کی دلیل ہے اس آیت میں صرف ولادت کی نعمت کو کہیں بھی خاص نہیں کیا گیا، اس میں مطلق طور پر ذکر ہے کہ اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں کا ذکر کرو، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ولادت کا جشن نہیں منایا حالانکہ نعمتوں کا ذکر کرنے کا بیان ہے۔ یقیناً اس آیت میں پھر جشن ولادت کا حکم ہی نہیں ہوگا اگر ہر نعمت پر جشن منانے کا حکم ہے تو انسان اپنے جسم پر ایک نظر ڈالے بے شمار نعمتیں نظر آئیں گی ہاتھ پاؤں، آنکھیں سوچنے سمجھنے والا دماغ تو کیا ان نعمتوں کے ذکر کیلئے وہ جلوس نکالنے چل پڑے۔

دلیل نمبر ⑤:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ ﴾ [ابراھیم : ۵]

''اور انہیں اللہ کے دنوں کے ساتھ نصیحت کیجئے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے دن منانے کا حکم دیا ہے اور میلاد النبی بھی ایک دن منایا جاتا ہے اس لئے اس کا حکم قرآن سے ثابت ہے۔

جواب: یہ خطاب دراصل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ہے جیسا کہ اس آیت کا سابقہ ٹکڑا اس پر دلالت کرتا ہے، اب سوچنے کی بات ہے کیا موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنایا اپنے سے پہلے انبیاء کا دن منایا اگر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دن نہیں منایا گیا اُن کا نہ سابقہ انبیاء کا تو اس آیت کا کوئی اور مفہوم کیسے ہوگیا، ایام اللہ سے مراد اللہ رب العزت کے وہ دن ہیں جن میں سابقہ قوموں کو نافرمانی کی سزا دی گئی اور سابقہ انبیاء کے حالاتِ زندگی ہیں جو لوگوں کیلئے نہایت سبق آموز ہیں انہیں بیان کرنے کا حکم ہے۔ منانے کا نہیں۔

دلیل نمبر ⑥:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ﴾ [یونس : ۵۸]

''فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر انہیں خوش ہونا چاہیے۔''

یہ فضل اور رحمت نبی ﷺ کی صورت میں ہے اس لئے خوش ہونے کی صورت میلاد کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔

جواب: اس کے رد میں ہم نامور محقق مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کا فتویٰ نقل کر رہے ہیں جس میں

انہوں نے تفصیل سے اس کا جواب دیا ہے:

سوال: میلاد النبی کا جشن منانا رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں آمد پر خوشی کا اظہار ہے اور خوشی منانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ [یونس: ۵۸]

اس آیت میں یہ واضح ہے کہ ہم اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہوں اور نبی ﷺ کی ولادت سب سے بڑی رحمت ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

اس پر خوشی منانے سے تو کافر کو بھی فائدہ پہنچتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ابولہب سے ہر سوموار کے دن عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے کیونکہ اس نے اس دن نبی کریم ﷺ کی ولادت کی بشارت دینے والی اپنی لونڈی کو آزاد کردیا تھا۔ قرآنِ مجید کی اس آیت اور بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عید میلاد النبی کا جشن منانا درست ہے۔ آپ لوگ کیوں نہیں مناتے؟ اور مجلّہ میں ہمیشہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔
(ایک سائل)

جواب: نبی کریم ﷺ کی بعثت، ہجرت، تبلیغ، جہاد، امت پر شفقت اور آپ کی زندگی کے دوسرے احوال پر مسلمان سے خوشی مطلوب ہے۔ یہ خوشی سال کے 360 دنوں میں سے صرف ایک دن یا رات تک محدود نہیں بلکہ ہر زمانے میں ہر وقت اور ہر حالت میں ہونی چاہیے۔ یہ کس قدر زیادتی ہے کہ ہم مسلمان ہو کر سال میں صرف ایک دن تو خوشی اور جشن منائیں باقی سارا سال نہ ہمیں آپ کا قول وفعل یاد رہے، نہ ہی زندگی میں آپ کا اسوہ نظر آئے بلکہ ہماری زندگی کا ہر پہلو یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کے رسم و رواج کا مظہر ہو اور سال میں صرف ایک دن رسول اللہ ﷺ کے نام پر وہ بھی ان غیر مسلم قوموں کی مشابہت میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

صحابہ ﷺ کے اسوہ کے خلاف گزرے۔ قرآن مجید کی آیت "فَلْيَفْرَحُوا" سے نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی اور جشن منانے کا استدلال حقیقت میں تحریف قرآن ہے کیونکہ "فَلْيَفْرَحُوا" کا معنی خوشی مناؤ کون سی لغت میں ہے؟ بتاؤ کس مفسر یا مترجم نے لکھا ہے کہ "فَلْيَفْرَحُوا" کا معنی جلوس نکالو، بھنگڑے ڈالو، موسیقی بجاؤ، بیل چھکڑے، بسیں، ٹرک، ٹرالیاں سجا کر میدان میں آؤ، گنبدِ خضرا کا ماحول بناؤ اور اونٹوں پر بیٹھ کر گلی گلی گھومو، شرکیہ نعتیں پڑھو۔

ابوسعید خدری، ابن عباس، ہلال بن یساف، قتادہ، زید بن اسلم اور ضحاک وغیرہم۔ صحابہ اور تابعین کے بلند پایہ مفسرین نے اس "فضل اور رحمت" کی تفسیر اسلام اور قرآن مجید کے ساتھ کی ہے جس کی تائید اس سے پہلی آیت بھی کرتی ہے، امام ابن جریر، ابن کثیر، امام بغوی، امام قرطبی، ابن العربی اور دوسرے بہت سے مفسرین نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ آئمہ کی تفاسیر میں سے کسی بھی تفسیر میں نہیں ہے کہ اس رحمت سے مراد نبی کریم کی ولادت ہے۔ یہ واضح ہو کہ لوگوں کیلئے اصل رحمت نبی کریم کی بعث اور رسالت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الانبیاء: ۱۰۷]

یہ آیت نص ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت جہانوں کیلئے رحمت ہے اور صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ کو کہا گیا کہ آپ مشرکین کیلئے بددعا کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿ اِنِّيْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً ﴾

"کہ میں لوگوں پر لعنت کرنے کیلئے نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

یہ آیت اور حدیث دونوں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ جہانوں کیلئے رحمت نبی کریم ﷺ کی بعثت ہے۔ دوسرا جو بخاری شریف کی حدیث سے استدلال ہے وہ بھی باطل

ہے:

❀ پہلی وجہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ کہ دین اسلام وحی کے علاوہ کسی چیز سے ثابت نہیں ہوتا اور یہ بخاری کی حدیث میں جس بات کا تذکرہ ہے وہ خواب ہے اور خواب بھی نبی کریم کا نہیں، جو کہ وحی ہوتا ہے بلکہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے اور ہے بھی ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کا۔ ایک کافر آدمی کے خواب سے دین کیسے ثابت ہوسکتا ہے، جسے بیان بھی اس نے حالتِ کفر میں کیا ہو؟

❀ دوسری وجہ یہ ہے کہ کافر کو مرنے کے بعد اس کے اچھے اعمال کی جزا نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ﴾

[الفرقان : ۲۳]

''اور ہم پہنچے ان کے عملوں کی طرف جو انہوں نے کئے تھے تو ہم نے اسے اُڑتی ہوئی خاک بنا دیا۔''

دوسری آیت:

﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴾ [الكهف : ۱۰۵]

''یہی وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات کے ساتھ، برباد ہوگئے ان کے اعمال قیامت کے دن ہم ان کے لئے ترازو کھڑی نہیں کریں گے۔''

❀ اگر ابولہب نبی کریم ﷺ کی ولادت کا سن کر خوش بھی ہوا تھا تو وہ ایک طبعی خوشی تھی کیونکہ ہر انسان اپنے عزیزوں کے بچے کی پیدائش پر خوش ہوتا ہے اور جو خوشی اللہ کے لئے نہ ہو اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا اور پھر کیا وہ خوشی ہر سال مناتا تھا یا ایک ہی

مرتبہ اس نے منائی تھی۔

❀ قرآن مجید کی نصوص سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ○ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَصِيْرٍ ﴾ [فاطر : ٣٦ ـ ٣٧]

”اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کیلئے جہنم کی آگ ہے، نہ ان پر فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ مرجائیں اور نہ ہی ان میں سے ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ ہم ہر ناشکرے کو اس طرح سزا دیتے ہیں، وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس سے نکال ہم اچھے کام کریں گے، ان کاموں کے علاوہ جو دنیا میں کرتے تھے (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) کیا ہم نے عمر نہیں دی تھی تمہیں کہ اس میں سوچ لو جس نے سوچنا ہے اور تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے تھے۔ اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

دوسری آیت میں ہے:

﴿ إِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴾ [الزخرف : ٧٤ ـ ٧٥]

”یقیناً مجرم جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے۔“

اگر واقعی آپ کے خیال میں ان دلیلوں سے نبی کریم ﷺ پر خوشی اور جشن منانے کا شرعی حکم ثابت ہوتا ہے تو خود امام الانبیاء اور ان کے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی سمجھ نہ آئی۔ اگر انہیں بھی سمجھ تھی تو انہوں نے یہ جشن کیوں نہیں منایا؟

پھر اس روایت میں ہے کہ ابولہب نے کہا: میں اپنی انگلی سے پانی چوستا ہوں، جبکہ انگلی اس کے ہاتھ کا جز ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ﴾ [اللهب : ١]

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوگیا۔''

قرآن مجید کی یہ آیت بھی اس کی تردید کررہی ہے۔ اب بات ابولہب کی درست ماننی ہے یا قرآن کی۔ فیصلہ کریں۔

اور یاد رکھیں! نبی کریم ﷺ پر خوشی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دین اسلام میں دو چیزیں داخل کردیں جن کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے دین پہنچانے میں خیانت کی۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

بلکہ خوشی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لائے ہوئے دین کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس میں کسی قسم کا اضافہ کرنے سے پرہیز کریں اور دل و جان سے اسلام کے احکامات تسلیم کریں۔ یہی آپ کی محبت واطاعت واتباع ہے۔ ①

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ:

سوال: کیا سیرتِ رسول ﷺ کے ذکر واذکار کیلئے ۱۲ ربیع الاوّل کی شب کو مسجدوں میں جشن میلاد النبی کی محفلیں آراستہ کرنا جائز ہے؟ اس بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہوگیا ہے، کچھ حضرات اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں اور کچھ بدعت غیر حسنہ؟

① مجلہ الدعوۃ، جولائی ۱۹۹۷ء۔

جواب: ۱۲ ربیع الاوّل یا دوسرے کسی بھی دن میں میلاد النبی کی محفلیں آراستہ کرنا کسی بھی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی شخص کا یوم پیدائش منانا جائز نہیں، اس لئے کہ جشن ولادت دین میں پیدا کردہ بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک کبھی بھی اپنا یوم پیدائش نہیں منایا جب کہ آپ دین کے مبلغ اور اپنے رب کی شریعت کے مرتب و منتظم تھے، آپ نے کسی کو ایسا کرنے کا کبھی حکم بھی نہیں دیا، نیز یہ کام نہ خلفائے راشدین نے انجام دیا نہ عام صحابہ کرام نے اور نہ ہی تابعین سمیت قرون مفضلہ کے کسی فرد نے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ کام بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے ہمارے دین میں نئی بات پیدا کی وہ بات مردود ہے۔'' (متفق علیہ) اور مسلم کی روایت ہے جسے بخاری نے جزم کے ساتھ معلق روایت کیا ہے ''جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ عمل مردود ہے۔'' (مسلم)

اور جشن میلاد کیلئے رسول اللہ ﷺ کا امر موجود نہیں ہے بلکہ یہ ان بدعتوں میں سے ہے جنہیں بعد کی صدیوں میں لوگوں نے ایجاد کرلیا تھا، لہٰذا یہ مردود ہے، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ خطبہ جمعہ میں کہا کرتے تھے امابعد ''سب سے عمدہ کلام کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھا راستہ رسول اللہ ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بری چیز بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔'' (مسلم) نسائی کی روایت میں اتنی زیادتی ہے ''اور ہر ضلالت کی انتہا جہنم ہے۔'' (نسائی بسند جید)

جشن میلاد النبی کی محفلیں سجانے کی بجائے اگر آپ کی سیرت مبارکہ اور جاہلیت و اسلام میں آپ کی طرز زندگی کی تاریخ سے متعلق مدارس و مساجد کے دروس کے ضمن میں آپ کی ولادت سے متعلق اخبار کا درس دیا جائے تو یہ کافی وافی ہوگا اور جشن میلاد جیسی

بدعت کی ہمیں ضرورت نہیں رہے گی، جسے نہ اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے نہ اس کے رسول نے، نہ ہی اس کے جواز پر کوئی شرعی دلیل قائم کی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے تمام مسلمانوں کی ہدایت وتوفیق کے ساتھ انہیں سنت پر گامزن رکھنے اور بدعت سے دور رکھنے کی دعا کرتے ہیں۔ ①

اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کا فتویٰ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ:

❀ اسلام کے مزاج کا تقاضا ہے کہ وہ اشخاص سے زیادہ ان کارناموں کی عزت کرتا ہے جو کسی بڑے شخص سے صادر ہوں۔ اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، تبع تابعین اور آئمہ ہدیٰ رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی کسی بڑے آدمی کا جنم دن یا موت کا دن منانے کی کوشش نہیں فرمائی، اس رسم کی اسلام میں اگر کچھ اہمیت ہوتی تو اکابر صحابہ کی پیدائش کے دن ضرور ہی منائے جاتے۔

یہ جوعوام نے پیدائش کے دن کو میلاد سے تعبیر کیا اور موت کے دن کو عرس کا نام دیا یہ رسم صدیوں بعد بنائی گئی اور عموماً ایسی رسوم کا اہتمام وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں ان سے کچھ نہ کچھ مالی فائدہ ہوتا ہو عوام بے چارے عقیدت کی وجہ سے خسارے ہی میں رہتے ہیں۔

ابتدائے اسلام سے اکابر اسلام کی پیدائش اور موت کے دن منانے کا اہتمام کیا جاتا تو شاید سال کا کوئی دن بھی کسی میلاد شریف یا عرس شریف سے خالی نہ ہوتا۔ امت میں بحمداللہ پاک لوگوں کی کمی نہیں تھی اگر ان کے واقعات اور حوادث کو بطور ایام منایا جاتا تو یقیناً بہت سے ضروری اور اچھے کاموں کیلئے وقت ہی نہ بچتا۔ سارا وقت مرنے والوں کے احترام اور اہتمام میں گزر جاتا۔ زندوں کی اصلاح اور تعمیر کیلئے شاید ہی تھوڑا بہت وقت نکلتا۔ رجال،

---

① فتاویٰ علامہ عبدالعزیز بن باز، صفحہ: ۵۷۷، ۵۷۸۔

سیرت اور وفیات کی کتابوں میں اپنے اکابر کے تذکرے پڑھیے اور پھر ملاحظہ فرمایئے کیا ان سب حضرات نے اعراس اور موالید کے اہتمام فرمائے؟ شائد گداگر اور ملاحضرات تو اس کاروبار کو کرگزریں کہ انہیں اس سے کافی حد تک معاشی سہولتیں میسر آجاتی ہیں لیکن عامۃ المسلمین کیلئے اس میں بے کاری اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

یہ رسم اہل اسلام میں غیر مسلم قوموں کی تقلید سے آئی ہے۔ مغربی قومیں غالبًا پیدائش کے دن مناتی ہیں، مگر مشائخ اور اکابر کے مرنے پر ان کے ہاں بھی عرس کا کوئی انتظام نہیں، عرس کی رسم شاید ہندوؤں میں بھی نہ ہو، یہ صرف دوکاندار قسم کے متاخر صوفیوں نے ایجاد کی جس کا نتیجہ قبر پرستی کی صورت میں ظاہر ہورہا ہے۔

معلوم ہو چکا ہے کہ ساتویں صدی کے آغاز (604ھ) میں یہ بدعت شروع ہوئی۔ صدی ختم ہونے تک اس میں بیسیوں قسم کے منکرات پیدا ہوگئے اور پھر برسوں تک یہ بدعت متروک رہی۔ اب انگریز کے آخری دور میں ہندوؤں کے بزرگوں کے جنم دن کی تقلید میں اسے پھر سے شروع کیا گیا۔ حکومت نے لاعلمی کی وجہ سے اسے دین کا مسئلہ سمجھ کر اس میں نیم سا تعاون کیا۔ اب ملاحضرات نے پھر اسی پیٹ کے دھندے کو اپنا کر پیٹ اور محفل کی رونق کا سامان مہیا کردیا ہے حالانکہ آج کل اس میں اور مفاسد پائے جارہے ہیں۔ فواحش کی گرم بازاری اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقیدت کے نام پر فسق و فجور کو رواج دیا جارہا ہے۔

کم علم ملاحضرات اپنے انتقامی جذبات کی تسکین بھی اسی بہانہ سے کرلیتے ہیں، بیل گاڑیوں پر بیٹھ کر اہل توحید کی مساجد اور مجالس کے سامنے ہنگامہ کرکے بداخلاقی کا ثبوت دیتے ہیں اور یہ سب کچھ حکومت کے تعاون کی آڑ میں ہورہا ہے۔

میرے نزدیک یہ فعل بدعت ہے اس میں کتنی بھی تقدیس پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، میں اسے گناہ سمجھتا ہوں لیکن ہم ایسے اسلامی ملک میں رہ رہے ہیں جس کے حکام

اور ارباب اقتدار اسلام کی تعلیمات سے بے خبر ہیں، یہاں ان بدعات کو اسلام پسندی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ پھر اس میں فواحش کا ارتکاب ہوتا ہے اور ہم ان کو بجبر روکنے پر قادر نہیں۔ ①

فتاوئ نمبر ②:

❀ شریعت کو کسی بڑے سے بڑے انسان کی موت و حیات سے اس طرح کی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ عبادت اور ثواب سمجھ کر اس طرح سالگرہ منائی جائے اور عید میلاد منعقد کی جائے یا نوحہ و ماتم کر کے اظہار غم کیا جائے۔ آخر اتنے انبیاء و اصفیاء عالم شہود میں آئے اور بے شمار نہایت بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ اب اگر ہم ایک ایک کی عید میلاد منائیں یا ایک ایک کا ماتم کریں تو دن میں کئی بار تو میلاد محفلیں سجانا پڑیں اور کئی بار غم واندوہ کا اہتمام کرنا پڑے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کا تیئس (23) سال کا زمانہ اور خلافت کا تیس (30) سال کا عرصہ ایک نگاہ سے دیکھ لیں کہیں بھی آپ کو ایسی کوئی تقریب نظر نہیں آئے گی۔ خود شارع نے اپنی سالگرہ منائی اور نہ اپنے اکابر واجداد کی کوئی عید میلاد منعقد کی اور نہ ہی صحابہ کرام نے ایسا کوئی ڈھونگ رچایا سوائے دو عیدوں کے وہاں کوئی تیسری عید نظر نہیں آتی۔ عید میلاد کا اہتمام تو کجا ان میں سے کسی کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ یہ بھی کوئی ثواب کا کام ہے، حالانکہ ہم محبت نبوی ﷺ میں صحابہ کرامؓ کی گرد راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

عید میلاد کو سب سے پہلے سلطان ابوسعید علی بن سبکتگین نے چھٹی صدی ہجری میں شروع کیا بعد میں جب مصر پر سنیوں کا غلبہ ہوا تو یہ لعنت ختم ہوئی پھر سلطان مظفر نے چھٹی صدی ہجری کے آخر میں اس کو شروع کیا۔ سلطان مذکور بہت بہت سادہ لوح اور جذباتی آدمی تھا۔ میلاد کی تقریب منانے کے لئے ماہ صفر میں تیاری شروع کر دیتا۔ ہر قسم کے قوال،

---

① بحوالہ، الاعتصام، ٤ ستمبر ١٩٦٤ ۔

گانے بجانے اور غزل خوان واعظ اکھٹے ہوجاتے اور بے شمار قسم کے کھانے پکائے جاتے، پھر رفتہ رفتہ یہی فتنہ طول پکڑتا ہوا عید بن گیا۔

ہندوستان میں جہاں اور بہت سی بدعتیں فتوحاتِ اسلامیہ کے بعد آئیں محفلِ میلاد بھی اپنے تمام لوازم کے ساتھ سارے ملک میں چھا گئی۔ جاہل ملاؤں اور خودغرض سیدوں نے اس کی نزاکتِ شان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بدعت کو خوب ہوا دی۔ قرآنی آیات کی تحریف اور ترمیم کرکے احادیث کے عمومات کو غلط موقعہ پر محمول کرتے ہوئے اس کے جواز کی کوشش کی گئی۔ محبتِ رسول ﷺ کا نام لے کر جذبات کو اس قدر اچھالا گیا کہ یہ رسم ایک میلہ اور ہنگامہ وتماشہ بن کر رہ گئی۔

محبت کا معیار:

محبت کا معیار نعرہ بازی نہیں اور نہ عشق کا تقاضا ریاکاری اور دکھلاوا ہے۔ محبت زمانی اور مکانی نہیں ہوتی۔ الفت دائمی تعلق کا نام ہے جو عاشق کے دل پر اور اس کی زندگی پر ہمیشہ کیلئے غالب رہے۔ محبت رسول ﷺ کا نعرہ لگانا آسان ہے، لیکن محب بننا مشکل۔ اگر محب بننا ہو تو صحابہ کرام مہاجرین عظام انصارِ مدینہ، شہدائے احد مجاہدین بدر اور خصوصاً مکی زندگی میں اسلام قبول کرنے والے فرشتہ سیرت لوگوں کی شیفتگی اور والہانہ عقیدت اور سراپا جاں نثاری سے سبق لینا ہوگا۔ محبت موسمی چیز نہیں کہ ربیع الاوّل میں تو سیلاب بن کر آئے اور باقی سارا سال آپ کو احساس تک نہ ہو کہ آپ کا کوئی رسول بھی ہے۔ [1]

مفتی عبیداللہ خان عفیف کا فتویٰ

سوال: برصغیر پاک و ہند میں میلاد مروجہ کے جلوس کی ابتداء کب ہوئی اور اس کا اولین بانی عنایت اللہ قادری تھا یا کوئی اور تھا؟ سائل: حافظ امتیاز احمد جامعہ اہل حدیث لاہور

---

(1) الاعتصام، ٦ جنوری ١٩٥٠ء۔

جواب: عنایت اللہ قادری صاحب کا یہ دعویٰ کہ وہ اس جلوس کا بانی ہے جھوٹ محض اور سرتاپا غلط ہے اس جلوس کا اولین بانی انجمن فرزندان توحید موچی گیٹ کے اراکین تھے جیسا کہ روزنامہ مشرق مجریہ 21 ربیع الثانی 1404ھ، 26 جنوری 1984ء کے پرچہ میں مصطفیٰ کمال پاشا کا مفصل مضمون شائع ہوچکا ہے، لیجئے یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

آزادی سے پیشتر ہندوستان میں حکومت برطانیہ 25 دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منانے کا انتظام کرتی اور اس روز کی فوقیت کو دوبالا کرنے کیلئے اس یوم کو بڑے دن کے نام سے منسوب کیا گیا۔ بڑے دن کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دن 12 گھنٹے کی بجائے 16 گھنٹے کا ہوتا ہے بلکہ عوام نوجوانوں اور بچوں کے ذہنوں میں اس کی یاد کو تازہ رکھنے کیلئے دفتروں کارخانوں اور مدرسوں وغیرہ میں پندرہ روز کی رخصت دی جاتی تاکہ دنیا میں ثابت کیا جائے کہ حضرت مسیح ہی نجات دہندہ تھے۔

حضور پاک 12 ربیع الاوّل کو اس دنیا میں تشریف لائے اور اسی روز وفات پائی، کچھ لوگ اس مقدس یوم کو بارہ وفات کے نام سے پکارتے ہیں، آزادی سے پیشتر اس یوم کے تقدس کے پیش نظر مسلمانان لاہور نے اظہار مسرت و عقیدت کے طور پر جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا سیاسی کشمکش کی وجہ سے ہندو مہاسبھائی جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو عید میلاد النبی کے جلوس نکالنے کی اجازت مل گئی تو اس سے مسلمانوں میں جذبہ اسلام اور اتحاد پیدا ہوگا مگر مسلمانوں کے اسلامی جذبہ کے پیش نظر گورنر نے مسلمانوں کو بغیر کسی رکاوٹ سے جلوس نکالنے کا لائسنس دینے کی منظوری دے دی کیونکہ انگریز جانتا تھا کہ مسلمان محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام پر ہر قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتا اس ضمن میں مسلمانان لاہور کا ایک وفد جس میں خلیفہ شجاع الدین محمد الدین بیرسٹری چوہدری فتح محمد، محمد فیاض اور میاں فیروزالدین احمد مرحوم شامل تھے، گورنر سے ملا تو مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کیا اور پرامن ماحول

برقرار رکھنے کا یقین دلایا اور اگر منظوری میں کوتاہی کی جاتی تو پھر صوبہ کے امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ تھا، اسلامی جذبوں سے سرشار بزرگوں نے انجمن معین السلام کے زیر تحت جس کے سیکرٹری جناب مفتی حمایت اللہ مرحوم (والد بزرگوار شباب مفتی) نے جلوس نکالنے کا پروگرام مرتب کیا ان دنوں کانگرس اپنے اجتماع موری دروازہ میں منعقد کیا کرتی تھی اور اس کے مقابلہ میں مسلمان اپنے اجتماع موچی دروازے میں منعقد کرتے تھے، لہٰذا موچی دروازہ کو سیاسی مرکز ہونے کے علاوہ سب سے پہلے عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس نکالنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ عملی طور پر جلوس کی قیادت انجمن فرزندان توحید موچی گیٹ کے سپرد ہوئی جس میں حافظ معراج دین، حکیم عین الدین، بابو سراج دین، شاہ الدین، اسلم مستری، حسین بخش، چوہدری فتح محمد، ملک محمد الدین، بیرسٹر چوہدری کلیم الدین، مہر معراج دین اور میاں فیروزالدین احمد (مسلم لیگی لیڈر جنہوں نے مسٹر جناح کو قائداعظم کا لقب دیا) اور دیگر نوجوان شامل تھے۔ دارالعزیز موچی گیٹ میں جلوس کے پروگرام وانتظام کے متعلق اہم فیصلے کئے جاتے۔ انجمن کے زیر قیادت جلوس ہر سال مسلسل کامیابی وکامرانی کے ساتھ نکلتا رہا۔ جلوس کا لائسنس واجازت نامہ میاں فیروز الدین احمد کے نام تھا 1934ء میں مسلم لیگ کے علاوہ تحریک خلافت بھی عوام میں مقبول تھی لہٰذا 1934 اور 1935 میں لائسنس میاں فیروزالدین احمد سیکرٹری خلافت کمیٹی کے نام پر دیا گیا۔ بعد کے دیگر لائسنس کے علاوہ 1942ء کے اجازت نامہ میں میاں فیروز الدین کو سیکرٹری مسلم لیگ کے طور پر منظوری ملی۔ جلوس کا آغاز 1934ء اور 1935ء موچی دروازہ سے دیگر علاقہ جات سے ہوتا ہوا رات ایک بجے شاہی مسجد کو پہنچا بعد میں دوسرا جلوس اندرون شہر اور بھاٹی دروازے سے گزرنے کے بعد حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر اختتام پذیر ہوا۔

جلوس میں گھوڑے پر سوار نوجوان ہاتھوں میں نیزے لئے ہوئے گشت کرتے جلوس کی مختلف ٹولیوں میں شامل لوگ نعتیں، کلمہ شریف اور درود شریف کی تلاوت کرتے، جس سے

نوجوانوں میں جذبہ حریت اور عشق رسول ﷺ پیدا ہوتا۔تمام راستوں کو دلہن کی طرح سجایا جاتا اور جلوس میں شامل نوجوانوں پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جاتیں۔ سیاسی ، دینی اور سماجی کارکنوں کے علاوہ جلوس کے آگے پہلوانوں کی ٹولی بھی شمولیت کرتی جس کی رہنمائی رستم زماں گاماں پہلوان اور امام بخش پہلوان وغیرہ کرتے۔ مولوی محمد بخش مسلم (ممبر مجلس شوریٰ) اپنی سریلی آواز میں نظمیں، تقاریر اور قرآن کی تلاوت سے حاضرین کو مستفید فرماتے گتکا پارٹی اور دیگر نوجوانوں کی رہنمائی ماسٹر فیروز احمد انسٹرکٹر فزیکل ٹریننگ گورنمنٹ کالج لاہور کے سپرد تھی۔

اراکین خلافت کمیٹی شعبہ واٹرکور مجلس احرار خاکسار مجلس اتحاد مجلس نیلی پوش اور مسلم لیگی حضرات جوق در جوق شامل ہوکر جلوس کی رونق کو دوبالا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے جلوس کے اختتام پر خلیفہ شجاع الدین (سپیکر اسمبلی) نواب شاہ نواز ممدوٹ، محمد فیاض اور میاں امیرالدین دیگر معززین لاہور اچھی کارکردگی پر انعامات تقسیم کرتے۔ جس سے مسلم نوجوانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ان ہی دنوں میں ایک حادثہ کی وجہ سے رسالہ الحکیم موچی گیٹ کے مالکان کا نوجوان فرزند مسٹر زبیر جو گھوڑے پر سوار جلوس کی رہنمائی کر رہا تھا گر کر شہید ہوگیا۔ اس سے پیشتر یہ یوم بارہ وفات کے نام سے منسوب تھا مگر بعد انجمن نعمانیہ ٹکسالی گیٹ کے زیراہتمام پیر جماعت علی شاہ ، مولانا محمد بخش مسلم ، نور بخش توکلی اور دیگر علماء نے قرارداد کے ذریعہ عیدمیلادالنبی اکا نام دیا۔

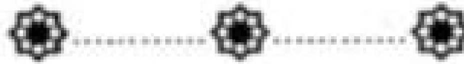
پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد عوام نے اس مذہبی و دینی جلوس کو حسب سابق اسلامی جذبہ سے سرشار ہوکر منایا، مگر چند لوگوں نے بانی اسلام کے یوم پیدائش پر بانی جلوس کا لقب حاصل کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اس جلوس کے بانی انجمن فرزندان توحید موچی گیٹ کے اراکین کی جانب سے فیروز الدین احمد مرحوم لائسنس دار تھے۔

اس مضمون پر سرسری نظر ڈالنے سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ اس جلوس کے اولین بانی

انجمن فرزندان توحید موچی دروازہ لاہور تھے اور انہوں نے کرسمس ڈے کے مقابلہ میں اس بدعت کی طرح ڈالی لہٰذا جناب عنایت اللہ قادری صاحب کا دعویٰ اپنے اندر کوئی صداقت نہیں رکھتا اور ان کا یہ ادعاء محض دروغ بے فروغ کے سوا کچھ بھی نہیں وہاں یہ بھی واضح ہوا کہ اس بدعت کی جائے پیدائش موچی دروازہ لاہور اور اس کی تاریخ ولادت 1935ء ہے اور آج 2004ء ہے لہٰذا اس بدعت کی کل عمر 69برس ہے بالفاظ دیگر میلاد کے جلوس کی یہ بدعت اس وقت نکالی گئی جب بحساب سن میلادی رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات پر 1308ء برس گزر چکے تھے۔ فاعتبروا یاولی المختر عین لهذه البدعة

بادہ خواری کا کیا قبر مغاں پر جلسہ
اس سال ہم نے بڑے زور سے توڑی توبہ

(بحوالہ: جشن عیدمیلادالنبی ﷺ کتاب وسنت کی روشنی میں)




رجب کے کونڈے
تاریخ کے آئینے میں

رجب کے کونڈے تاریخ کے آئینہ میں

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نسلِ انسانی کی فلاح و بہبود سے متعلقہ جتنی چیزیں بھی تھیں نازل فرما دیں اور یہ ایسا دین ہے کہ جس کو پیغمبر آخریں حضرت محمد ﷺ پر نازل فرما دینے کے بعد اللہ رب العزت نے تکمیل دین کی یہ مہر بھی لگا دی۔

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدة : ٣]

''کہ کائنات کے لوگو! میں نے تمہارے لئے تمہارے دین اسلام کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو بھی مکمل کر دیا اور تمہارے لئے پسند بھی اسی دین کو کیا۔''

شروع سے آج تک پوری امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے رسالت کا حق ادا کر دیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نہ کسی چیز کو چھپایا اور نہ اس کے آگے پہنچانے میں کوتاہی کی بلکہ ہر وہ کام اور طریقہ جو اللہ کے قرب کا باعث ہو سکتا تھا اس کی جانب رہنمائی فرما دی اور ہر وہ کام جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بن سکتا تھا اس کی نشاندہی فرما دی۔

محترم بھائیو! یہ دین تو آسان ہی بہت تھا ایک قرآن اور دوسری نبی ﷺ کی سنت اور بس۔لیکن ہم نے اسے آج مشکل کر دیا ہے۔ اگر کہہ دیا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ ہم میں

سے بعض ان پڑھ مولوی حضرات نے اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ کو بھرنے کیلئے دین میں بعض ایسی چیزوں کو شامل کر دیا ہے۔ جن کا نہ کوئی دین سے تعلق ہے نہ سنت سے اور نہ شریعت سے بلکہ ان کا تعلق محض پیٹ سے ہے اور یہ کبھی نہیں سوچا کہ ہم نے اپنا پیٹ تو بھر لیا لیکن اس قدر مہنگائی کے دور میں بھولی عوام کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کر دینے کے باوجود کہ میں نے دین کو مکمل کر دیا ہے' ہم ان نئی چیزوں کے ذریعہ سے اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ نہیں اے ہمارے رب! تیرا دین ابھی مکمل نہیں ہوا ہم زیادہ عقل مند ہیں۔ بعض چیزیں تیرے پیغمبر سے رہ گئی تھیں اس لئے ہم مکمل کر رہے ہیں۔ ''نعوذ باللہ من ذالک'' انہی ایجاد کردہ من گھڑت چیزوں میں سے ایک ہے۔ ''رجب کے کونڈے'' ہر سال ۲۲ رجب کو عام و خاص بڑے اہتمام سے اس بدعتِ مذمومہ کو دہرا رہے ہیں۔

رجب کے کونڈے:

تعجب کی بات ہے کہ بعض احباب اچھے خاصے پڑھے لکھے ہونے کے باوجود اس توہمانہ رسم بد میں مبتلا ہیں جبکہ خود کو وہ بڑے فخر سے (Bright Minded) کہتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی عقیدہ ہے کہ رجب کے مہینہ میں کونڈوں کو نہ بھرا گیا تو کاروبار میں نقصان ہوسکتا ہے اور کوئی آفت آ سکتی ہے اور کونڈوں کا ختم دلانا مصائب کا حل ہے اور ایک گروہ ایسا بھی ہے جو سمجھتا ہے کہ یہ تفریح طبع کیلئے کھانے پینے کا سامان ہے اور بس ایسے دونوں گروہ ہی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور رشد و ہدایت کے سرچشمہ یعنی قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اگر ایک طرف گمراہ ہوگئے تو دوسری طرف اپنے ہاتھوں دینی اقدار کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔

طریقہ کار:

آیئے! پہلے اس بات کو دیکھتے ہیں کہ کونڈے بھرنے کا طریقہ کار کیا ہے۔ کونڈے بھرنے کیلئے رجب کے مہینہ کی ۲۲ تاریخ کو میدہ، دودھ، شکر اور مختلف میوہ جات کے خاص تناسب سے مخصوص مقدار میں پوریاں بنائی جاتی ہیں، حلوہ تیار کیا جاتا ہے پھر اس پر ایک منظوم کتاب پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی فاتحہ کرواتے ہیں پھر عزیز و اقارب اور دوست واحباب کو ایک ایک دو دو پوریاں کھلا دیتے ہیں۔ چند سال قبل جن دعوتی مہمانوں یا دوسرے لفظوں میں جن کونڈہ خوروں کو دعوت دی جاتی تھی ان میں سے ہر ایک کو ساتھ ہدایت کر دی جاتی کہ یہ کونڈے چونکہ گھر کے اندر پکتے اور تیار ہوتے ہیں اور اسی چھت کے نیچے ان کو کھایا جاتا ہے۔ اس لئے کونڈے کی کسی چیز کو باہر نہیں لیجایا جا سکتا لیکن اس سے مولوی صاحب کے گھر کچھ نہیں آتا تھا کونڈے کی پوریاں اور حلوہ وغیرہ وہیں ختم ہو جاتا۔ مولوی صاحب بھی اسے باہر نہیں لیجا سکتے تھے۔ کیونکہ ایسا کام کرنا کونڈوں کے آداب کے منافی تھی۔ لہٰذا مولوی صاحب نے یہ حکم بھی دے دیا کہ اسی حلوہ پوری کو گھر سے باہر لیجائیں تو کوئی حرج والی بات نہیں خیر اب یہ سامان گھر سے باہر بھی کھایا جاتا ہے اور بعض علاقوں میں صرف اسی چھت کے نیچے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کو اس طرح دعوت کرنے کا حکم کس نے دیا ہے۔ ان کونڈوں کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ ان کی بنیاد قرآن و حدیث میں کس نص یا فقہ کے کس اصول پر ہے اور یہ بات کہاں تک درست ہے کہ اس ختم کے دلانے سے مصائب دور ہو جاتے ہیں۔ آیئے! اجمالاً ان کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

کونڈوں کی بنیاد:

کونڈے بھرنے کا پورے احادیث کے ذخیرہ میں کہیں بھی ثبوت نہیں ملتا نہ ان کی بنیاد

قرآن پاک کے کسی حکم پر ہے نہ پیارے رسول ﷺ کے کسی فرمان پر اور نہ ان کی پاکیزہ زندگی سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ کتبِ فقہ میں بھی اس کا ذکر نہیں۔ اس کی بنیاد ایک گمراہ کن فرضی داستان پر ہے جو داستان عجیب کے نام سے مشہور ہے اور اسے امامیہ مسلک کے ایک شیعہ افسانہ نگار نے بطور مثنوی نظم کے لکھا تھا اور اسے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی کرامت قرار دیا کونڈوں کی رسمِ بد کا تعلق بھی شیعہ سے ہے لیکن اس داستان عجیب کو اس طرح مذہبی رنگ میں پیش کیا گیا کہ یہ آہستہ آہستہ دوسرے ممالک کے لوگوں میں بھی پھیل گئی۔ لیکن اب وائے اس اندھی عقیدت کہ حقیقت سے آنکھ کو بند کر لیا گیا بلکہ حقیقت خرافات میں کھو گئی۔

کتاب داستانِ عجیب کا خلاصہ:

حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہم قارئین کرام کی خدمت میں اس من گھڑت داستان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس پر رسم کونڈہ کی بنیاد ہے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ حیات تھے۔ ان کے دور میں مدینہ منورہ میں ایک لکڑ ہارہ رہا کرتا تھا۔ اس بے چارے کی اولاد زیادہ تھی اور آمدن کم' اس کا ذریعہ معاش بس اتنا ہی تھا کہ جنگل میں جاتا لکڑیاں کاٹتا اور بازار میں لے جا کر بیچ دیتا جو تھوڑی بہت آمدن ہوتی تنگی ترشی سے وقت پاس کرتا۔ اس بھوک اور تنگدستی سے وہ اکتا گیا۔ چنانچہ کسی دوسرے ملک میں جانے کا سوچا اور چل دیا۔ اس طرح گھر بار چھوڑ کر پردیسی ہو گیا۔ لیکن مقدر نے ساتھ نہ دیا وہاں بھی وہی بھوک اور تنگدستی۔

دیارِ غیر میں اسی حال میں اس نے زندگی کے بارہ سال گزار دیئے۔ پردیس میں گھر بھی یاد آتا تھا' بیوی بچے بھی یاد آتے تھے لیکن شرمسار تھا بے چارہ کہ آج تک بارہ سال گزر چکے گھر والوں کو کچھ بھیجا نہیں شرمندگی اور ندامت سے خالی ہاتھ جاتا نہیں تھا کہ لوگ کیا کہیں گے یہ آدمی باہر کے ملک گیا اور خالی ہاتھ واپس آ گیا۔

ادھر لکڑ ہارے کے چلے جانے سے گھر والوں کا واحد سہارا ان سے چھن گیا۔ آخر لکڑ ہارے کی بیوی وزیر کی بیوی کی خادمہ بن گئی گھر میں جھاڑو دے دیتی کچھ روپے پیسے مل جاتے پھر ایک دن ہوا کیا؟

لکڑ ہارے کی بیوی اسی وزیر کی بیگم کے محل کے صحن میں جھاڑو دے رہی تھی کہ اچانک وہاں سے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا گزر ہوا جب اس محل کے صحن میں پہنچے تو اچانک رک گئے اور اپنے عقیدت مندوں سے پوچھا کہ یہ کون سا مہینہ ہے اور آج کون سی تاریخ ہے۔ عقیدت مندوں سے ایک بڑھا اور دست بستہ عرض کی حضور یہ رجب کا مہینہ ہے اور آج رجب کی بائیس تاریخ ہے۔ پھر پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ رجب کی بائیس تاریخ کی کیا فضیلت ہے؟

عرض کی حضور ہی بہتر جانتے ہوں گے۔ امام صاحب نے فرمایا! او میرے مریدانِ خاص! آیئے پھر سن لیجئے! اس دن کی فضیلت ہے اگر کوئی شخص مصیبت اور پریشانی میں گرفتار ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ رجب کی ۲۲ تاریخ کو میرے نام کے کونڈے بھرے۔ اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ وہ بازار سے نئے کورے کونڈے خرید کر لائے انہیں گھی میں تلی ہوئی میٹھی خستہ پوریوں سے بھرے' پھر چادر بچھا کر کونڈوں کو اس چادر پر رکھے اور پورے اعتقاد کے ساتھ میرا ختم دلائے پھر میرا ہی وسیلہ پکڑ کر اللہ سے دعا کرے تو اس کی ہر حاجت اور ہر مشکل حل ہو جائے گی اور پھر اس طرح کے عمل سے کسی کی مراد پوری نہ ہو تو وہ قیامت کے دن میرا دامن پکڑ سکتا ہے اور مجھ سے اسکی باز پرس کر سکتا ہے۔ حضرت نے یہ سب کچھ فرمایا اور پھر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

لکڑ ہارے کی خستہ حالی بیوی جو وہاں جھاڑو دے رہی تھی' اس کو جب حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی زبان سے گردشِ روزگار اور مصیبتوں سے نجات کا یہ گر معلوم ہوا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی تمام کام چھوڑ کر اس نے حضرت کے کونڈوں کا اہتمام کیا اور دعا کی کہ

اے اللہ! امام صاحب کے صدقے میری تمام مصیبتیں دور کر دے' میرا شوہر خیریت سے گھر لوٹ آئے اور اپنے ساتھ کچھ مال و دولت بھی لائے۔

اس نے کونڈوں کا ختم دلایا اور فارغ۔ ادھر لکڑ ہارا بارہ سال سے تنگ دستی کا زمانہ گزار رہا تھا لیکن حضرت کی کرامت دیکھئے جیسے ہی مدینے میں لکڑ ہارے کی بیوی نے کونڈے بھرے ویسے ہی لکڑ ہارے کے پردیس میں دن پھر گئے۔

کس طرح؟ ایک دن جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اچانک کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گری' کلہاڑی گرنے سے زمین پر دھماکہ سا ہوا اس سے لکڑ ہارے نے اندازہ لگایا کہ یہاں کی زمین اندر سے شاید خالی ہے' نیچے اترا زمین کھودنا شروع کر دی' زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہاں سے ایک شاہی خزانہ مل گیا۔ زرو جواہر مال و دولت اور سونا چاندی وغیرہ سے بھرپور۔ اب اس نے آہستہ آہستہ خزانہ گھر منتقل کرنا شروع کر دیا۔ پھر ایک دن یہ تمام مال و دولت اونٹوں اور گھوڑوں پر لاد کر مدینہ منورہ اپنے مکان پر پہنچا۔ گھر پہنچ کر لکڑ ہارے نے وزیر کے محل کے سامنے ایک عالی شان محل تعمیر کیا اور نوابوں کی طرح وہاں رہنا شروع کر دیا۔ ایک دن اتفاق سے وزیر کی بیگم اپنے محل کے بالا خانے پر چڑھی تو سامنے ایک خوبصورت عالی شان محل دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اپنی خادماؤں سے پوچھا یہ کس کا مکان ہے؟ سب نے بیک زبان کہا' اس لکڑ ہارے کا جس کی بیوی آپ کے گھر جھاڑو دیا کرتی تھی۔ یہ سن کر اس نے ایک خادمہ کو حکم دیا کہ میری اس نوکرانی کو ذرا بلا کر تو لانا۔ لکڑ ہارے کی بیوی آئی' اس سے پوچھا! اری کل تک تو دو وقت کی روٹی کو ترستی تھی' اور آج یہ ٹھاٹ باٹھ اس کی وجہ کیا ہے؟

لکڑ ہارے کی بیوی نے حضرت کے اشارے کے مطابق کونڈے بھرنے اور ایک بڑا خزانہ ہاتھ لگنے کی داستان بیان کر دی۔ یہ سن کر وزیر کی بیوی نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا' لگتا ہے تیرا شوہر ڈاکہ ڈال کر مال لے آیا ہے اور نام رکھ لیا ہے کونڈوں کا۔ وزیر کی بیوی جب

کونڈوں کی فضیلت پر ایمان نہ لائی تو اس کے شوہر پر غیب سے ایک مصیبت نازل ہوئی اس پر ملکی خزانہ لوٹنے اور کرپشن کا الزام لگا اور اسے برطرف کرنے کے ساتھ جلا وطن بھی کر دیا گیا۔ جو کل تلک وزیر تھا آج ملک چھوڑ کر جا رہا تھا۔ راستے میں چلتے ہوئے اس نے ایک خربوزہ خرید لیا کہ بھوک کے وقت کھا لیں گے۔

اب دیکھئے ! جس دن وہ معزول ہوا اسی دن بادشاہ کا شہزادہ شکار پر گیا اور شام کو گھر نہ آیا۔ مشیروں میں سے کسی نے کہا' عالی جاہ ! ہوسکتا ہے اسے معزول وزیر اعظم نے قتل کروا دیا ہو۔ حکم صادر ہوا کہ اس وزیر کو پکڑ کر ابھی دربار میں پیش کیا جائے۔ اس بیچارے نے ابھی آدھا سفر بھی طے نہیں کیا تھا کہ دوبارہ گرفتار ہو کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ وزیر کے ہاتھ میں رومال میں بندھا ہوا خربوزہ تھا۔ بادشاہ نے پوچھا' یہ کیا ہے؟ عرض کی حضور ! خربوزہ ہے۔

لیکن جب رومال کھول کر دیکھا گیا تو خربوزے کی بجائے شہزادے کا خون میں لتھڑا ہوا سر تھا۔ وزیر بھی حیران تھا کہ یہ خربوزہ شہزادہ کیسے بن گیا۔ حکم ہوا کہ ان دونوں کو جیل میں بھیج دیا جائے اور صبح سویرے انہیں پھانسی دے دی جائے۔ اب جیل میں میاں بیوی نے سوچا' ہم سے ضروری کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی سزا ہمیں مل رہی ہے آخر وزیر کی بیگم کو یاد آ گیا کہ کافی دن ہوئے میں امام جعفر رحمہ اللہ کے کونڈوں کے عقیدے پر ایمان نہ لائی تھی پھر دونوں نے رو رو کر اپنے گناہ کی معافی مانگی اور پختہ عزم کر لیا کہ اگر اس مصیبت سے نجات مل جائے تو ہم ضرور امام صاحب کے کونڈے بھریں گے۔

اب جیسے ہی بیگم نے عقیدت سے کونڈے بھرنے کا ارادہ کیا حالات نے پلٹا کھایا۔ بادشاہ کا گم شدہ شہزادہ کونڈوں کی برکت سے صحیح سلامت واپس آ گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا فوراً قیدیوں کو بلانے کا حکم دیا رومال کھول کر دیکھا تو وہاں شہزادے کے سر کی بجائے خربوزہ تھا۔ بادشاہ نے معزول وزیر سے پوچھا' بتا تو سہی آخر وجہ کیا ہے۔ کہا حضور ! میری بیوی

کونڈوں کے عقیدہ پر ایمان نہ لائی تھی۔ پھر لکڑ ہارے سے لے کر پوری داستان بیان کر دی۔ بادشاہ بڑا متاثر ہوا۔ وزیر کو دوبارہ اس کا عہدہ عطا کر دیا اور مزید خلعت فاخرہ سے نوازا۔ پھر شاہی محلات سے لے کر وزیر کے محل تک بڑی دھوم دھام اور اہتمام کے ساتھ کونڈے بھرنے کی ''رسمِ بد'' ادا کی گئی اور وزیر کی بیگم تو زندگی بھر ہر سال عقیدت کے ساتھ حضرت امام جعفر رحمہ اللہ کے کونڈے بھرتی رہی۔

داستان عجیب پر ایک نظر:

داستانِ عجیب جس پر کونڈوں کی بنیاد ہے سراسر من گھڑت اور جھوٹ پر مبنی افسانہ ہے۔ اس کذب بیانی پہ ذرا غور فرمایئے۔

❀ اس افسانے میں کہا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے اس قسم کے عمل کرنے پر گارنٹی اور ذمہ داری کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ اگر کونڈے بھرنے کے بعد کسی کی حاجت پوری نہ ہوتو وہ قیامت کے دن میرا دامن پکڑ لے۔ ایک لمحہ سوچئے! کیا امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی زبان سے کسی ایسی رسم کے متعلق ایسے الفاظ نکل سکتے ہیں جس کو ان کے جد اعلیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ کیا ہو' تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو' خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی نہ کیا ہو۔

❀ لکڑ ہارے کی بیوی بارہ سال تک وزیر کی بیگم کے ہاں ملازمت کرتی رہی جب اس کا خاوند مالدار ہو کر واپس لوٹا تو بیوی نے ملازمت کو ترک کر دیا اور وزیر کی بیوی کو ملازمت چھوڑنے کی خبر تک نہیں حالانکہ ملازم جو اتنی دیر سے کہیں نوکری کر رہا ہو مالک اس کے گھریلو حالات سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔ اتنا شاندار محل بننے میں کئی ماہ صرف ہوئے ہوں گے۔ ایک دو دن کی تو بات ہی نہیں ہے لیکن وزیر کی بیوی کو اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ اتفاقاً بالا خانے پر جاتی ہے حالانکہ محلّہ یا بستی میں کوئی معمولی سی تعمیر بھی ہوتو پورے محلّہ والوں کو [illegible] ہے۔

- اگر یہ اتنا عظیم الشان کام تھا تو اس واقعہ کا ذکر تاریخ کی کسی بھی کتاب میں ملنا چاہئے تھا لیکن یہ ذکر خیر کسی بھی کتاب میں موجود نہیں نہ تاریخ اسلام میں حتیٰ کہ شیعہ کی مستند کتابیں جن میں بارہ اماموں کا ذکر ہے کسی بھی کتاب میں حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے حالات میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔
- ساری داستان بادشاہ اور وزیر کے گرد گھومتی ہے جن کے محلّات مدینہ منورہ میں ثابت کئے گئے ہیں اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی پیدائش شیعہ کتب کے مطابق ۸۳ ہجری اور وفات ۱۴۸ھ ہے۔ شیعہ کی معتبر کتاب ''چودہ ستارے'' کے مصنف نجم الحسن کراروی نے لکھا ہے کہ امام صاحب کا عہد عبدالملک بن مروان سے لے کر ابوجعفر منصور تک ہے اور عبدالملک بن مروان اموی خلیفہ ہے جس کے دور میں دارالخلافہ دمشق تھا اور منصور عباسی حکمران ہے۔ اس دور میں بغداد دارالخلافہ رہا مدینہ منورہ اس سارے عرصہ کے دوران کبھی دارالخلافہ نہیں رہا۔ امویوں کا دارالخلافہ دمشق اور عباسیوں کا بغداد تھا۔ جب مدینہ دارالخلافہ ہی نہیں رہا تو وہاں بادشاہ اور وزیر کے محلات کہاں سے آ گئے اور پھر اس وقت بادشاہت کا تصور ہی نہیں تھا اس دور کے حکمران خود کو خلیفہ کہا کرتے تھے۔ یہ تاریخی حقائق اس داستان کے جھوٹ ہونے کا ثبوت ہیں۔

اب ذرا سوچئے ! کونڈوں کے بارے میں جو من گھڑت قصہ پیش کیا جاتا ہے وہ تو جھوٹا ثابت ہوا پھر ان کونڈوں کی ابتداء کہاں سے ہوئی ؟ اور کونڈے بھرنے کی وجہ کیا ہے؟

کونڈوں کی ابتداء:

پیر جماعت علی شاہ کے ایک مرید مصطفیٰ علی خان نے ایک کتابچہ لکھا ہے جو ''جواہر المناقب'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کونڈوں کی ابتداء ۱۹۰۶ء میں ریاست رام پور یو۔پی سے ہوئی۔ ایک مشہور شاعر امیر مینائی گزرا ہے۔ اسکے بیٹے خورشید احمد مینائی نے داستان عجیب کے نام سے کونڈوں کے بارے میں کتاب چھپوا کر ۱۹۰۶ء میں تقسیم

کروائی۔ رام پور سے نکل کر یہ رسم بد لکھنو پہنچی پھر ۱۹۱۱ء میں لکھنو کے قریبی علاقوں اودھ، روہیل کھنڈ اور دوسرے علاقوں میں یہ رسم پھیل گئی۔ یہاں سے یہ آہستہ آہستہ گردش کرتی ہوئی مختلف علاقوں میں توہم پرست لوگوں کے درمیان پھیلتی چلی گئی۔

کونڈے بھرنے کی وجہ:

دشمنان صحابہ ہمیشہ سے اپنی دشمنی کا کسی نہ کسی طرح اظہار کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ۲۲ رجب کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر خوشی کا اظہار کرنے کے لئے اس ''رسم بد'' کو شروع کیا۔ شروع شروع میں کونڈوں کی یہ رسم خفیہ طور پر صرف شیعہ کے اندر ہی منائی جاتی تھی پھر انہوں نے اس رسم میں دوسروں کو شریک کرنے کے لئے نہایت ہوشیاری اور چابکدستی سے اس داستانِ عجیب کی من گھڑت کرامت کو سُنی عوام کے سامنے پیش کیا۔

چنانچہ دیگر مسلمان بے چارے لاشعوری طور پر ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے جشن میں شریک ہوگئے۔ مزید یہ کہ اپنی فریب کاریوں پر پردہ ڈالنے کیلئے اسے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی جانب منسوب کر دیا۔

کیا یہ امام جعفر رحمہ اللہ کی پیدائش کا دن ہے۔۔۔؟ اب عوام میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی پیدائش کا دن ہے اور بعض ان کی وفات کا دن ٹھہراتے ہیں لیکن حقیقت سے دونوں بے خبر ہیں۔ اس لئے کہ امام صاحب نہ اس دن پیدا ہوئے اور نہ وفات پائی۔ آیئے! شیعہ کتب سے ان کی پیدائش و وفات کو دیکھتے ہیں:

امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی پیدائش و وفات:

(۱) حضرت امام جعفر صادق ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۵ شوال المکرّم ۱۴۸ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ [1]

---

[1] چودہ ستارے، نجم الحسن کراروی ص: ۲۵۔۲۶۔

(۲) آپ کا یوم ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ' ۲۴ مئی ۶۹۹ء ہے۔ ①

(۳) اعیانِ شیعہ کے نزدیک ان کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ/ ۲۴ مئی ۶۹۹ء کو ہوئی۔
ان کی وفات مدینہ منورہ میں ماہ شوال ۱۴۸ھ/ ۷۶۵ء میں ہوئی' انہیں جنت البقیع میں
اس روضے میں دفن کیا گیا جس میں انکے والد محمد باقر' دادا زین العابدین اور حضرت
حسن رضی اللہ عنہ مدفون تھے۔ ②

معلوم ہوا کہ حضرت امام جعفر صادق کی وفات رجب کے مہینہ میں ہوئی نہ پیدائش بلکہ
وہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور شوال میں ہی وفات پائی ہے۔

اسی طرح شیعہ کتب میں کشف الغمہ جلد دوم اور شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول اور
جلاء العیون ص ۵۲۱' ۵۲۲ کے مطابق آپ کی ولادت کا سال ۸۱ھ ۸ رمضان المبارک ہے
اور کشف الغمہ میں ۸۰ھ کے قول کو اصح قرار دیا گیا ہے اور آپ کی وفات ۱۵ شوال المکرم
۱۴۸ھ ہے۔

۲۲ رجب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن:

شیعی جنتریوں اور رسائل میں ۲۲ رجب کو ''یوم ہلاکت معاویہ'' لکھا جاتا ہے اور تاریخ
کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجب کے مہینہ میں وفات
پائی۔ چند ایک حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

(۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجب ۶۰ھ میں انتقال کیا وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین
ہوئی' ضحاک بن قیس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ③

(۲) شیعہ کے مدرسہ ''المنتظر'' لاہور کی جانب سے ایک کیلنڈر شائع ہوتا تھا اور ایک کیلنڈر

---

❶ اسلامی انسائیکلو پیڈیا صفحہ: ۶۲۵۔

❷ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷، ص: ۵۷۲/۲۷۲۔

❸ تاریخ اسلام معین الدین احمد ندوی ص: ۳۷۱۔

شیعہ کی ایک دکان سیٹھ برادر شاہ عالم مارکیٹ سے بھی شائع کیا جاتا تھا۔ یہ کیلنڈر دو رنگے ہوتے ہیں ان میں خوشی کے ایام کو سرخ اور دیگر ایام کو سیاہ رنگ سے شائع کیا گیا ہے۔ اس میں ۲۲ رجب کی تاریخ کو خوشی کے طور پر شائع کیا گیا ہے اور ساتھ لکھا ہے ''مرگ معاویہ''

(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چند وصیتیں کر کے رجب ۶۰ ھ میں انتقال کر گئے۔ ①

(۴) رجب ۶۰ ھ کی بائیسویں تاریخ پنجشنبہ کے دن دمشق میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ مدت امارت انیس برس تین مہینے ستائیس دن ہوئے۔ ②

(۵) تاریخ اسلام میں عبدالرحمٰن شوق نے صفحہ ۵۶۳ پر یہ سرخی قائم کی ہے ''بیعت یزید وفات امیر معاویہ ۶۰ ھ''

(۶) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بماہ رجب ۶۰ ھ میں وفات پائی۔ ③

یہ تمام حوالہ جات شیعہ کتب اور دیگر معتبر تاریخ کی کتابوں سے درج کئے گئے ہیں۔ جن میں کہیں ۲۲ رجب اور کہیں رجب کا مہینہ ان کی وفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ۲۲ رجب ہی ہے۔

اب غور فرمایئے! شیعہ حضرات تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی دشمنی میں اس فعل شنیع کا ارتکاب کر رہے ہیں جبکہ بے چارے سُنی مسلمان بلاوجہ اس بدعت کی نحوست کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان کیا خوب ہے:

« مَنِ ابْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا خَانَ الرِّسَالَةَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

---

❶ تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۶۰ ۔

❷ تاریخ طبری، حصہ چہارم ص ۱۶۳، نفیس اکیڈمی کراچی ۔

❸ تاریخ الخلفاء ۔

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا » ①

''جس نے دین میں بدعت کو ایجاد کیا اور سمجھا کہ یہ اچھی ہے اس نے یہی گمان کیا کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کا پیغام پہنچانے میں خیانت کی اس لئے کہ اللہ نے تو فرما دیا ہے کہ میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو مکمل کر دیا اپنی نعمت کو بھی تم پر پورا کر دیا اور اسلام کو بطور دین تمہارے لئے پسند فرمایا۔''

پیر عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے اس فرمان پر غور کرنا چاہئے:

« فَعَلَى الْمُؤْمِنِ اتِّبَاعَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَالسُّنَّةُ مَا سَنَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْجَمَاعَةُ مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ » ②

''ایک مومن کیلئے سنت اور جماعت کی اتباع لازم۔ سنت وہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے جاری کیا اور جماعت وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اتفاق کیا اور پیارے پیغمبر ﷺ کے اس فرمان کو دیکھئے۔''

« مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ » ③

''جس نے دین میں ایسا کام کیا جو ہمارے طریقہ کے مطابق نہیں وہ مردود ہے۔''

تو پھر ہم کیوں نہ اس کام کو چھوڑ دیں جس کے کرنے سے ہم لاشعوری طور پر بغض صحابہ کا مرتکب ہو رہے ہیں اور دین کے چہرے کو بدنما بنا رہے ہیں۔ اللہ ہمیں صحیح راستے اور دین اسلام پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین



---

❶ اصول البدع والسنن، احمد العدوی۔

❷ غنیۃ الطالبین۔

❸ مسلم۔


شب برات
اور اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لا چکے تھے۔ نماز با جماعت کا باقاعدگی سے سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اذان کے احکام ابھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخصوص اوقات میں اکٹھے ہوتے اور تاجدار مدینہ علیہ السلام کی اقتداء میں نماز ادا فرما لیتے۔ شام و سحر اسی طرح ایک ایک کر کے بیت رہے تھے۔ جب سرفروشانِ اسلام کی تعداد بڑھ گئی اور نماز کی ادائیگی کیلئے کوئی اطلاع دیئے بغیر اکٹھا ہونا مشکل ہو گیا تو صحابہ سر جوڑ کے بیٹھ گئے۔ آپس میں مشورے ہونے لگے کہ لوگوں کو نماز کے وقت اطلاع دینے کیلئے کون سا طریقہ استعمال کیا جائے۔ کسی نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بجایا جائے جس کی آواز سن کے لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ کسی نے کہا یہودیوں کی طرح سنکھ بجایا جائے اس کی آواز پر لوگ متوجہ ہو جائیں گے۔ ایک تجویز یہ بھی تھی کہ مجوسیوں کی طرح عبادت کے وقت آگ کو روشن کر دیا جائے۔ جلتی ہوئی آگ دیکھ کر مسلمان سمجھ لیں گے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ لیکن غور و خوض کے بعد یہ تمام طریقے رد کر دیئے گئے اس لئے کہ ناقوس میں عیسائیوں کی مشابہت تھی، بگل اور سنکھ بجانے میں یہودیوں کی مشابہت تھی اور آگ جلانے میں مجوسیوں کی نقالی تھی۔ جبکہ اسلام ان تمام ادیان سے بلند اور اپنی الگ امتیازی شان و رفعت کا مالک ہے۔ آخر اللہ رب العزت کے حکم سے نبی رحمت ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم صادر فرمایا اور انہوں نے اس مقصد کیلئے اذان کے کلمات سیکھ لئے۔

محترم قارئین! جب نماز کی اطلاع کیلئے آگ جلانا گوارا نہیں کیا گیا تو خوشی کے موقع پر مجوسیوں کی مشابہت کس طرح گوارا کی جا سکتی ہے۔ اسے نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے اختیار نہیں فرمایا۔ تاریخ اسلام کے روشن صفحات پکار پکار کے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ خوشی یا غمی کے موقعوں پر آتش بازی یا آتش پرستی سے مسلمانوں کا کوئی واسطہ نہیں رہا۔

ہاں اس کا کچھ تعلق ہے تو مجوسیوں کے ساتھ ہے وہی اس کے چاہنے والے اس سے محبت کرنے والے اور اس کی پوجا کرنے والے تھے۔ الفاظ میں جدت کی وجہ سے یوں سمجھ لیجئے کہ مجوسی کا جدید نام آتش پرست یا آتش باز ہے اور آتش بازی کا مظاہرہ آگ پرستی اور آگ سے محبت کا ایک انداز ہے۔

مگر....................

اس خوابیدہ مسلماں کی عقل وفہم تو دیکھو اگر کسی کمزور ایمان والے مسلمان کو بھی مجوسی کہا جائے تو کہنے والے کے گریباں کو تھام لیتا ہے اگر آتش باز کہا جائے تو خوشی محسوس کرتا ہے اور پندرہ شعبان کو شب برات کے نام سے آتش بازی کرنے اور قومی سرمایہ کو آگ لگانے کے لئے آگ بیچنے والے ان سوداگروں کو کیا معلوم ۔۔۔ شب برات اور پھر آتش بازی کی ابتداء کرنے والے کون لوگ تھے۔ان پھل جھڑیوں کی کڑیاں کن لوگوں سے ملتی ہیں؟ آیئے تاریخ کی بوسیدہ کتاب کو کھولتے ہیں ان شاء اللہ

آتش بازی کی ابتداء:

۱۳۲ھ میں جب بنو عباس نے بنو امیہ سے اقتدار چھیننے کیلئے سازشوں کے جال بچھائے تو انہوں نے دیکھا کہ بنو امیہ کو شکست دینا آسان کام نہیں۔ اس لئے کہ عرب کے جنگجو لوگ اموی حکومت کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایرانیوں اور عجمیوں سے تعاون لینے کا سوچا۔ ایرانی آتش پرست تھے مگر فاروقی اور عثمانی حکومت کی فتوحات نے مجوسی آتش کدوں کو سرد کر دیا تھا اور آتش پرست ایرانی مسلمانیت کا لبادہ اوڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ ایرانیوں کا ایک مشہور خاندان ''خاندان برامکہ'' تھا۔''برمک'' کہتے ہیں آتش کدے کی آگ روشن کرنے اور اس کی نگرانی کرنے والے کو یہ مجوسیوں کے ہاں سب سے بڑا مذہبی عہدہ تھا۔ جب مسلمانوں کی آمد سے برمک عہدے بھی ختم ہو گئے تو برمکی خاندان کے لوگوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا مگر اندرونِ خانہ آگ سے محبت برقرار رکھی۔ جب بنو

عباس نے بنوامیہ سے اقتدار چھینا تو ایسے ہی نو مسلم عجمیوں سے تعاون لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی امور سلطنت میں شامل ہو گئے۔ بلکہ برمکی خاندان نے تو حکومت اسلامیہ میں بڑے بڑے عہدے حاصل کر لئے اور خالد برمکی تو وزارت کے عہدے تک جا پہنچا۔ ۱۶۳ھ میں خالد کا انتقال ہوا تو خلیفہ ہارون الرشید نے اس کے بیٹے یحییٰ برمکی کو وزارت کا قلمدان سونپ دیا۔ برمکی چونکہ سابقہ آگ پرست تھے اس لئے یحییٰ برمکی نے خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں مقدس آگ کو روشن کرنے کا ایک عجیب طریقہ ایجاد کیا۔ اور خصوصاً شعبان کی پندرھویں رات کو نیک اعمال سے منسوب کر کے اس رات کثرت سے چراغاں کیا۔ آگ روشن کرنے کا مقصد لوگوں کے دلوں میں آگ کا تقدس اور وقار پیدا کرنا تھا۔ مساجد میں چراغاں کی بدعت کو اسی نے ایجاد کیا تاکہ وہ اس طرح آگ کی پوجا کر سکیں گویا آتش بازی اور چراغاں کی رسم اسلام میں ڈیڑھ سو سال بعد جاری ہوئی پھر زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلیاں آتی رہیں اور آتش بازی کی جدید صورت آج ہمارے سامنے ہے۔

کتب احادیث کی شروحات سے ثبوت:

مذکورہ واقعہ کا ثبوت ان شروحات سے ملتا ہے جن پر ہمارے معزز علماء احناف اور علماء اہلحدیث ہر دو کا اتفاق ہے۔ جیسے ترمذی کی عربی شرح تحفۃ الاحوذی میں مرقوم ہے:

۱ « قيل اول حدوث الوقود من البرامكة و كانوا عبدة النار فلما اسلموا ادخلوا في الاسلام ما يموهون انه من سنن الدين و مقصودهم عبادة النيران حيث ركعوا و سجدوا مع المسلمين و لم يات في الشرع استحباب زيادة الوقود على الحاجة في موضع » [1]

"کہا گیا ہے کہ آگ جلانے کی اور چراغاں کی بدعت کو برامکہ نے شروع کیا

---

[1] كتاب الصيام تحفة الاحوذي باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان ۔

کیونکہ وہ مجوسی تھے جب وہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے اس آتش پرستی کو اسلام میں داخل کر دیا لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہوئے کہ یہ بھی دینی طریقہ ہے حالانکہ ان کا مقصد آگ کی پوجا تھی جب وہ مسلمانوں کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرتے تو آگ کو رکوع اور سجدہ مقصود ہوتا جبکہ شریعت میں کسی مقام پر بھی ضرورت سے زیادہ آگ روشن کرنا جائز نہیں۔

(۲) مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ چنانچہ مشکوۃ المصابیح کی شرح مرعاۃ المفاتیح میں مرقوم ہے:

« و اما تقسیم انواعِ الاطعمة علی الفقراء فی هذه اللیلة خاصة فلم یروفیه حدیث مرفوع ولا موقوف ولا صحیح ولا ضعیف و اما اعتقاد حضور ارواح الاموات فی هذه اللیلة و تنظیف البیوت و تطیین جدرانها لتکریمها وزیادة السرج والقنادیل علی الحاجة فیها فهی من البدع والضلالات بلاشك قال القاری اول حدوث الوقید من البرامکة وکانوا عبدة النیران فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام ما یموهون انه من سنن الدین ومقصودهم عبادة النیران حیث رکعوا و سجدوا مع المسلمین الی تلك النیران ولم یات فی الشرع استحباب زیادة الوقید علی الحاجة فی موضع »[1]

''اس رات خاص طور پر فقراء کیلئے انواع واقسام کے کھانے تقسیم کرنا اس بارے میں کوئی حدیث مروی نہیں نہ مرفوع نہ موقوف نہ صحیح اور نہ ضعیف اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اس رات مردوں کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور ان کی تکریم کے لئے گھروں کو

---

[1] مرعاۃ المفاتیح جلد دوم، صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹۔ باب قیام شہر رمضان فصل الثالث۔

صاف کرنا اور دیواروں کی لیپا پوچی (پالش) کرنا اور ضرورت سے زیادہ چراغوں اور قندیلوں کو روشن کرنا تمام بدعات گمراہی کے کاموں میں سے ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں ''آتش بازی کی ابتداء کرنے والے برامکہ ہیں جو آتش پرست تھے اور جب مسلمان ہوئے تو دین کے لبادے میں انہوں نے آتش پرستی کو بھی اسلام میں داخل کر دیا اور جب مسلمانوں کے ساتھ مل کر وہ رکوع وسجود کرتے تو ان کے پیش نظر آگ ہوتی تھی اور شریعت میں ضرورت سے زیادہ آگ جلانا کسی مقام پر بھی جائز نہیں ہے۔''

ثابت ہوا کہ علمائے احناف کے ہاں بھی آتش بازی اور چراغاں بعد کی پیداوار ہے اور علمائے اہلحدیث کے نزدیک بھی۔ اک لمحہ خود سوچئے! نماز ایک عبادت ہے' حج عبادت ہے' جہاد کرنا عبادت ہے' زکوٰۃ دینا عبادت ہے تو کیا آتش بازی اور چراغاں بھی عبادت ہے؟ اگر عبادت ہے تو شریعت اسلامیہ نے کس وقت اور کون سے موقع پر اس آتش بازی اور چراغاں کا حکم دیا ہے.................؟

اگر ذہن میں سوال ابھرے کہ میں ایک عام آدمی ہوں مجھے دینی مسائل کا کیا پتہ؟ ہو سکتا ہے کہیں آتش بازی عبادت ہی نہ ہو تو پھر آپ ایسا کیجئے اپنی ہی مسجد کے یا کسی بھی مسلک کے عالم دین کے پاس چلے جائیں اور اس سے پوچھیں حضرت صاحب! میں نے اپنے مکان کی منڈیر پر ہزار موم بتیاں روشن کیں' چوک میں کھڑے ہو کر پچاس پیکٹ پھل جھڑیوں کے چلائے' اعلیٰ قسم کے پٹاخے سڑک میں پھینکے' پوٹاش اور گندھک ملا بارود خوب چلایا' حضرت صاحب! اللہ کی قسم جو آواز میرے پٹاخوں کی تھی پورے محلّہ میں اس جیسی آواز کسی کی نہ تھی۔ اب مجھے بتایئے کہ ڈھیروں سارے پٹاخے چلانے کا میرے نامہ اعمال میں کیا ثواب لکھا گیا ہے۔ یقیناً وہ عالم دین سمجھے گا کہ یہ شخص یا تو بیوقوف ہے یا میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ کوئی بھی شریف آدمی ان پٹاخوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور نہ ہی

یہ کھیل شریف لوگوں کو زیب دیتا ہے۔

ملکی معیشت اور آتش بازی:

اگر کوئی آدمی دس روپے کے ایک نوٹ کو جیب سے نکالے اور اسے دیا سلائی دکھاتے ہوئے آگ لگا دے پھر اس پر خوش بھی ہو لوگ سمجھیں گے اس کے دماغ کو کچھ ہو گیا ہے۔ یہ عوامی ردعمل ہے کہ دس روپے کا حقیر نوٹ جلانے والا ان کی نظروں میں پاگل ٹھہرا اور جو ہزاروں روپے آتش بازی کی نظر کر دے یا محض چند لمحات کیلئے اپنی اندرونی تخریب کو تسکین پہنچانے کیلئے نوٹوں کی آگ جلا جلا کے تماشہ دیکھے اسے کیا کہا جائے؟ کیا مال و زر کو آگ لگا کے اپنی بربادی کا تماشہ دیکھنا اس قوم کو زیب دیتا ہے جس کا بال بال غیر ملکی قرضوں میں جکڑا ہوا ہو۔ جس کے کتنے ہی افراد رات کو بھوکے سو رہے ہوں اور جسے غیر مسلم قوتیں مٹانے کیلئے یکجا ہو گئی ہوں پھر اس آتش مجوس سے اڑنے والی چنگاریوں سے بسا اوقات ملکی کارخانے جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں کتنی ہی آنکھوں نے دیکھا اس آگ سے کسی کے گھر کو آگ لگ گئی تو کسی کا دامن جل گیا۔ مگر کیا عجب پھر بھی کہ قوم مسلم کے عقل و دانش والے لوگ اپنے سرمایہ کو آگ لگا کر اس کے شراروں سے اپنے ہی ملک کو جلا رہے ہیں ۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یہ تضاد بیانی:

نبی ﷺ کی سیرت طیبہ بیان کرتے ہوئے بارہا مقررین اور نعت خوانوں سے سنا کہ والی بطحا کی آمد سے ایران کے آتش کدے بجھ گئے۔ اس عنوان نے سیرت نگاروں کے قلم سے بھی بڑی داد پائی ہے۔ مگر یہ کیسی تضاد بیانی ہے کہ ایک طرف تو یہ گل ہائے عقیدت ہیں اور دوسری طرف ہر سال اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں میں ان آتش کدوں کی یاد کو تازہ کیا

جاتا ہے۔ کیا ہمیں ایرانی آتش کدوں کا بجھ جانا پسند نہیں آیا..........؟

شب برات کی روایات .... تحقیق کی نظر میں :

شب برات کو اصل اہمیت ہمارے واعظین اور صوفیاء قسم کے لوگوں نے من گھڑت اور ضعیف روایات کے ذریعہ بخشی ہے۔ بالفرض اگر کچھ فضیلت تھی بھی تو وہ بھی مبالغہ آمیزی کے گردو غبار میں چھپ کر رہ گئی پھر اس رات کی جانب ایسی ایسی باتیں منسوب کی گئیں ہیں۔ جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ کے عرش کے نیچے ایک درخت ہے جس پر تمام دنیا والوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ پندرہ شعبان سے لے کر ایک سال تک جنہوں نے مرنا ہوتا ہے ان کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور جنہوں نے پیدا ہونا ہوتا ہے ان کے پتے اگ جاتے ہیں۔ جبکہ ایسی کسی چیز کا ثبوت کسی بھی صحیح حدیث سے نہیں ملتا۔ ذیل میں ہم مختصر طور پر اس ضمن میں پیش کی جانے والی روایات کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے ہم روایت کا صرف ترجمہ کرکے اس پر محدثین کی جرح نقل کریں گے :

روایت نمبر ۱ :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو (بستر سے) گم پایا پس میں آپ کے تعاقب میں نکلی تو انہیں بقیع کے قبرستان میں پا لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تو اس بات سے ڈرتی ہے کہ تجھ پر اللہ اور اس کا رسول زیادتی کرے گا۔ حضرت عائشہ نے عرض کی: میں نے گمان کیا تھا کہ شاید آپ اپنی کسی بیوی کے پاس گئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اس رات بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ ①

---

❶ جامع ترمذی جلد اول ابواب الصوم۔

تحقیق: اس روایت میں دو جگہ ضعف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ فرماتے تھے یہ روایت ضعیف ہے اس روایت کو حجاج بن ارطاۃ نے یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے حالانکہ حجاج کا یحییٰ سے سماع ثابت نہیں بلکہ زندگی میں ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ پھر یحییٰ اس روایت کو عروۃ سے نقل کر رہے ہیں جبکہ یحییٰ کا سماع عروہ سے ثابت نہیں۔ اس طرح یہ روایت دو جگہ سے منقطع ہے دو جگہ سے منقطع روایت محدثین کی اصطلاح میں شدید درجہ کی ضعیف روایت ہے۔ ①

لہٰذا جو واعظین اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اس رات قبرستان جانے کی ترغیب دیتے ہیں وہ روایت کی سند پر بھی غور فرمالیں اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ہر نیکی کے کام میں سبقت لے جانے والے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو زیادہ سمجھنے والے اور ان کے رمز شناس تھے وہ کبھی بھی اس رات مجمع کی صورت میں یا جتھہ بند ہو کر قبرستان وارد نہیں ہوئے۔

روایت نمبر ۲:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو اس رات قیام کیا کرو اور اس دن کا روزہ رکھو' بیشک اللہ تعالیٰ اس رات سورج غروب ہونے کے وقت سے پہلے آسمان کی جانب نزول فرماتے ہیں اور اعلان فرما دیتے ہیں' خبردار! کون مجھ سے بخشش طلب کرنے والا ہے۔ میں اس کو معاف کرتا ہوں' کون رزق طلب کرنے والا ہے اس کو رزق عطا کرتا ہوں' کون مصیبت زدہ ہے اس کی مصیبت کو دور کرتا ہوں' خبردار فلاں فلاں کون ہے یہاں تک کہ صبح صادق نمودار ہو جاتی ہے۔ ②

---

❶ الجرح والتعديل جلد۳، ص۲۷۳، الضعفاء الصغير ۷۵، المجروحين ج ، ص ۲۲۵، تاريخ بغداد جلد ۸، ص ۲۲۵ ۔

❷ سنن ابن ماجه ۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ راوی ہے جو حدیثیں خود گھڑا کرتا تھا۔ ①

روایت نمبر۳:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شعبان سے شعبان تک موتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے حتی کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے یا اس کے اولاد ہوتی ہے جبکہ اس کا نام مردوں کی فہرست میں داخل کیا جاتا ہے۔ ②

تحقیق: حافظ ابن کثیر یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''یہ حدیث مرسل ہے اور اس قسم کی روایات قرآن کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتیں'' اس لئے کہ مرسل حدیث محدثین کے ہاں قابل حجت نہیں۔

روایت نمبر۴:

یہ ایک طویل روایت ہے جو تقریباً اڑھائی صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا یہ فقرہ واعظین کے ہاں بڑا مقبول ہے:

''رجب اللہ کا مہینہ ہے' شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔''

وضاحت: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے اس لئے کہ اسے ملا علی قاری حنفی نے ''موضوعات کبیر'' ابن جوزی نے اپنی ''موضوعات'' ابن عراق الکنانی نے ''تنزیہ الشریعہ عن الاحادیث الموضوعہ'' اور علامہ طاہر پٹنی نے تذکرۃ الموضوعات

---

❶ المجروحين جلد٣، ص ١٤٧ ـ ميزان الاعتدال جلد٤، ص ٥٠٣ ـ تقريب التهذيب جلد٢، ص ٣٩٧ ـ العلل و معرفة الرجال جلد١، ص ١٧٨ ـ تاريخ بغداد جلد٤، ص ٣٧١، مشكوٰة علامه البانى جلد١، ص ٤١٠ ـ

❷ تفسير ابن كثير جلد٤، ص ١٣٨ ـ

میں اسے ذکر کر کے من گھڑت قرار دیا ہے۔

روایت نمبر ۵:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رجب کو تمام مہینوں پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے قرآن کو تمام کلاموں پر' شعبان کو تمام مہینوں پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے مجھے تمام انبیاء پر اور رمضان کو تمام مہینوں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے اللہ کو تمام مخلوق پر۔ ①

وضاحت: یہ روایت بھی موضوع (من گھڑت) ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں: ''قال ابن حجر انه موضوع '' ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا یہ موضوع ہے۔ اسی طرح امام سخاوی رحمہ اللہ نے ''المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ ص ۲۹۹' اور دیگر محدثین نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

روایت نمبر ۶:

جس نے نصف شعبان کی شب میں تیرہ رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں تیس بار قل ھو اللہ احد۔ تو ان دس آدمیوں کے بارے میں جن پر جہنم واجب ہو چکی ہے اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

وضاحت: من گھڑت روایت ہے موضوعات کبیر ص ۱۲۵ اس قسم کی اور بھی روایات ہیں جن میں سو رکعت نماز اور دیگر انداز کی نمازوں کا ذکر ہے۔ جو تحقیق کا شوق رکھتا ہے۔ ملا علی قاری کی موضوعات کبیر کا مطالعہ کرے یا پھر ہماری مفصل کتاب کا انتظار کرے۔ اس لئے کہ ہم نے یہاں چند ایسی مشہور روایات درج کی ہیں جو زبانِ زدِ واعظین ہیں۔

---

① غنیۃ الطالبین جلد ۱، ص ۶۸۰۔

اور ایسا طوالت سے بچنے کے لئے کیا گیا ہے اور شب برات کے لفظ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کی پیداوار ہے۔قرآن وسنت یا فقہ وتفسیر میں اس نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی لفظ شب فارسی ہے اور عربی میں شب "لیلۃ" کو کہتے ہیں۔تو اس کا نام پھر لیلۃ البراءۃ ہونا چاہئے تھا اور کیا لیلۃ البراءۃ کا لفظ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء تک حدیث وتفسیر کی جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان میں کہیں موجود ہے۔۔۔؟

شب برات اور حلوہ:

شعبان کے مہینہ میں سوجی اور میدہ جس قدر فروخت ہوتا ہے شاید کسی اور مہینے میں اتنا فروخت نہیں ہوتا ہوگا۔ پندرہ شعبان کو عوام کا اتنی کثیر مقدار میں والہانہ حلوہ پکانا یقیناً ایک دینی شعور رکھنے والے آدمی کیلئے معنی خیز ہے اور قابل تجسس بھی۔ اس لئے کہ تاریخ اسلام میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا خاص طور پر دور نبوی ﷺ سے لے کر آئمہ اربعہ تک کہ کبھی پندرہ شعبان کو اس طرح اجتماعی حلوہ خوری کا واقعہ رونما ہوا ہو۔تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کے ہم نے علماء اور عوام سے رابطہ کیا تو مجموعی طور پر حلوہ خوروں کے تین گروہ سامنے آئے ہیں اور ہر گروہ کا علیحدہ علیحدہ عقیدہ اور طریقہ واردات ہے۔

پہلا گروہ:

ان کا نظریہ ہے کہ اس دن رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے۔ اس وجہ سے آپ کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ چنانچہ آپ کیلئے حلوہ تیار کیا گیا۔ لہٰذا سنت سمجھتے ہوئے ہم بھی حلوہ پکا کے کھاتے ہیں۔ یہ طبقہ اتنا متشدد ہے کہ حلوہ نہ پکانے والوں کو نبی ﷺ کا دشمن سمجھتا ہے۔

غور فرمائیں! اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ' نبی ﷺ کے دندان مبارک شہید ہونے کا واقعہ 6 شوال 3 ہجری کو پیش آیا۔اس پر مورخین کا اتفاق ہے لیکن یہ کیسی حماقت

ہے کہ دانت تو شوال میں شہید ہوں اور حلوہ دس ماہ بیس دن بعد شعبان کے مہینہ میں پکایا جائے۔ شاید ہمارے بھائی تاریخ بھول گئے ہیں یا خوشی میں کتب تاریخ کی جانب ہاتھ نہیں بڑھا سکے۔ ایک عرض یہ بھی ہے کہ جس شخص کے دانت ٹوٹ جائیں جب تک اس کے مسوڑھے بھر نہیں جاتے اس کے لئے کھانا پینا مشکل ہوتا ہے۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کم از کم آٹھ دس دن حلوہ پکایا جاتا لیکن قربان جایئے اس حب رسول ﷺ پر کہ ایک دن میں ہی کام ختم فرما دیا۔ پھر سوچئے کیا یہ وہی حلوہ ہے جو سرزمین عرب کا تھا اس وقت تو گندم اور چھلنی کا رواج نہیں تھا پھر سوجی کا حلوہ کہاں سے آ گیا؟

دوسرا گروہ:

ان کا نظریہ یہ ہے کہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باعث ان کے نام کی نیاز دی جاتی ہے لیکن اس میں بھی وہ پہلے والا اعتراض لازم آتا ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت تو ہوتی ہے جنگ احد 6 شوال میں اور آپ حلوہ پکا رہے ہیں دس ماہ بیس دن بعد پھر اگر یہ شہادت کے باعث نیاز دی جاتی ہے تو ہر شہید کی نیاز دینا ہوگی اور اسلام میں اس قدر افراد شہید ہوئے ہیں کہ ان کی نیاز کیلئے پاکستان کا بجٹ بھی ناکافی ہوگا۔ اگر ان کے صحابی رسول اور شہید ہونے کی وجہ سے یہ کام کیا جاتا ہے تو جنگ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے ان کی نیاز کیوں نہیں دی جاتی۔۔۔؟ پھر کہا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے تو چچا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کسی اعتبار سے بھی کوئی دلیل نہیں بنتی ہے۔

تیسرا گروہ:

ان کا نظریہ ہے کہ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کی نیاز دی جاتی ہے اس لئے کہ انہوں نے جب سنا تھا کہ نبی ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تو انہوں نے بھی اپنے تمام دانت توڑ دیئے تھے لہٰذا حلوہ تیار کیا جانا چاہیے۔

محترم اور پیارے بھائیو! ہمیں افسوس تو اس بات کا ہے کہ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تو محبت کا دعویٰ کریں دانت توڑ کر اور ہم دعویٰ کریں حلوہ کھا کر ہماری اور ان کی محبت میں تو پھر بڑا فرق ہوا۔ اس لئے کہ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کے ماننے والوں نے اگر محبت کا اظہار کرنا ہے تو چاہئے کہ وہ حلوہ کھانے کی بجائے اپنا ایک ایک دانت توڑ لیا کریں اور اسی طرح کسی صحیح حدیث سے حضرت اویس قرنی کے دانت توڑنے کا واقعہ بھی ملنا چاہئے تاکہ ہمارے اور عوام کے علم میں اضافہ ہو۔

مذکورہ بالا تینوں گروہ تو اپنے اپنے نظریات رکھتے ہیں جبکہ حلوہ پکانے میں ایک چوتھا گروہ بھی سرگرم عمل ہے۔ اس گروہ سے متعلقہ افراد کا کوئی نظریہ نہیں۔ ان کا مقصد محض تفریح ہے اور کوئی دن ہاتھ لگنے کا بہانہ۔ اگر ان سے دلیل پوچھی جائے تو جواب ملتا ہے جب سبھی پکار ہے ہیں تو ہمارا کیا قصور ہے اور جس گھر سے حلوہ نہ آئے اسے ذلیل سا سمجھا جاتا ہے۔ ان کو پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کام جو دوسرا کر رہا ہے کس نیت سے کر رہا ہے اچھی نیت سے کر رہا ہے یا بری نیت سے۔ ان کا مقصد تو محض نقالی ہے۔ ہم حلوے کے منکر نہیں ہیں یہ حلال چیز ہے۔ ہم نہیں کہتے اسے کھانا چھوڑ دو جتنی حلال چیزیں خالق کائنات نے پیدا فرمائی ہیں وہ کھانے کے لئے ہیں۔ آپ کا دل چاہتا ہے تو کھائیے جب چاہے کھائیں جب چائیں پکائیں لیکن جس نظریہ سے پکایا جاتا ہے وہ نظریہ غلط ہے اور آج اس نظریہ کو دین بنادیا گیا ہے۔ جو حلوہ نہ پکائے اسے گستاخِ رسول ﷺ سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد» [1]

''جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جس کی بنیاد شریعت میں نہیں ہے وہ کام مردود ہے۔''

---

[1] متفق علیہ۔

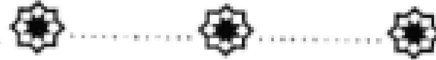
اور نذر و نیاز بھی اللہ کے نام کی دینی چاہئے اللہ کو چھوڑ کے اور کسی بھی شخصیت کی نیاز دینا درست نہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

[الانعام : ١٦٢]

''بے شک میری نماز اور میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔''

یقین کیجئے جتنا دین ہمیں رسول اللہ ﷺ دے گئے ہیں اتنے ہی دین پر عمل کرنے میں آرام اور سکھ بھی ہے اور جنت کا حصول بھی۔




رمضان المبارک
اور
غیر شرعی امور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام میں ہر فضیلت والی چیز پر عمل کرنے سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ وہ جنت کے قریب اور جہنم سے دور ہو جاتا ہے۔ ہاں ہر دل میں ایسے فضیلت والے اعمال کرنے کی تڑپ اور شوق ہونا چاہیے۔ وہ انسان یقیناً خوش نصیب ہے جو ایسے عمل ڈھونڈ ڈھونڈ کے کرتا ہے جو قیامت کے دن درجات کی بلندی کا سبب بنیں گے، لیکن ایک اصول یاد رکھیے کہ کسی بھی عمل کی فضیلت اس وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک وہ شریعت کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق ادا کیا جاتا رہے۔ جب بھی کسی بندے کے دل میں یہ خیال ابھرے گا کہ میں اس فضیلت کے معیار کو بڑھانے کے لئے تھوڑی سی اپنی طرف سی زیادتی کروں یا اس کام میں اپنی طرف سے کچھ سختیاں لگا دوں تا کہ وہ مزید بہتر بن جائے۔ قطعاً وہ عمل بہتر نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنی فضیلت کو ہی کھو دے گا۔ خواہ یہ زیادتی یا سختی کرنے والا کوئی عام آدمی ہو یا عالم دین ہو، ادیب وخطیب ہو یا شیخ الحدیث کوئی بھی ہو اور عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ خاص طور پر فضیلت والے اعمال میں لوگ زیادتی کرتے ہیں۔

شرف وفضیلت والی چیزوں میں ایک رمضان المبارک کا مقدس مہینہ بھی ہے۔ جس کی فضیلت کا یہ عالم ہے کہ اس کی راتوں میں آنے والی ایک رات سال بھر کی راتوں بلکہ ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے۔ دن بھر کا جو روزہ رکھا جاتا ہے۔ وہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے۔ بڑا ہی برکتوں، فضیلتوں اور عنایات کا مہینہ ہے۔

لیکن بعض بندے ان فضیلتوں پر شاکر نہیں رہے۔ انہوں نے اپنی عقل اور ذہنی منطق لڑا کے اس میں کچھ زیادتیاں کر دی ہیں۔ حالانکہ فضیلت تو بس وہی ہے جو رب نے بیان کر دی ہے بندہ تو اس فضیلت کو نہ بڑھا سکتا ہے اور نہ ہی گھٹا سکتا ہے، ہم رمضان المبارک کے حوالے سے چند ایسی چیزیں آپ کے سامنے رکھیں گے جو شریعت نہیں ہیں، لیکن عقلمندوں

نے انہیں شریعت بنا دیا ہے اور وہ غیر شرعی امور تیزی سے عوام میں رواج پا رہے ہیں۔

روزے کی نیت کے الفاظ:

رمضان المبارک کے کیلنڈروں پر روزے کی نیت کے لئے یہ الفاظ اکثر لکھے جاتے ہیں:

« وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ »

''میں نے رمضان المبارک کے مہینہ سے کل کے روزے کی نیت کی۔''

سحری وافطاری کی ڈائریوں پر بھی یہ الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہیں نہ ضعیف سے بلکہ یہ من گھڑت ہیں۔ اگر ان کے کلمات کی ترکیب اور مفہوم پر غور کریں تو جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے۔ اس دعا میں ''غد'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے آنے والا کل ۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ پانچ جگہ استعمال ہوا ہے۔ دو جگہ قیامت کیلئے اور تین جگہ آنے والے کل کیلئے۔

قیامت کے معنی میں لفظ غد کا استعمال:

ذیل کی دو آیات ایسی ہیں جہاں غد کا اطلاق قیامت پر کیا گیا ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ [الحشر:١٨]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ ہر شخص دیکھ لے اس نے ''کل'' (قیامت) کیلئے آگے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ خبردار ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔''

﴿ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴾ [القمر:٢٦]

''عنقریب ''کل'' (قیامت کے دن) یہ لوگ جان لیں گے کہ کون جھوٹا خود پسند

ہے۔"

آنے والے کل کیلئے لفظ غد کا استعمال:

قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے۔

❀ اللہ رب العزت نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول نقل فرمایا ہے: جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں اپنے باپ سے کہا:

﴿ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [یوسف:۱۲]

"آپ اسے (یوسف علیہ السلام کو) "کل" ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، تاکہ وہ خوب کھائے اور کھیلے اور ہم بے شک اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ط وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ [لقمان:۳٤]

"بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہ نازل کرتا ہے آسمان سے بارش اور وہ جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ "کل" وہ کیا کرے گا اور نہ ہی کوئی نفس یہ جانتا ہے کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔"

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں کہ مکہ کے قریشیوں نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہودیوں کی طرف بھیجا کہ جاؤ یہودیوں کے پاس وہ سابقہ انبیاء کے حالات اچھی طرح جانتے ہیں، تم ان سے پوچھو تمہارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے۔ چنانچہ وہ یہودی علماء کے پاس گئے اور ان سے اس سلسلہ میں بات کی۔ یہودیوں نے کہا ہم تمہیں ایک فیصلہ کن بات بتادیتے ہیں، تم جا کر اس نبی

سے تین سوال کرو، اگر وہ جواب دے دیں تو ان کے سچا ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔ بے شک وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو وہ جھوٹے ہیں، پھر تم جو چاہو کرو۔ ان سے پوچھو پہلے لوگوں میں چند نوجوان ظالم بادشاہ سے بھاگ کر غار میں چلے گئے تھے، ان کے حالات کیا ہیں؟

دوسرا سوال یہ کرو کہ وہ آدمی جس نے مشرق و مغرب کا چکر لگایا اور سورج کو ابھرتے ڈوبتے دیکھا اس کے حالات کیا ہیں؟ اور روح کی ماہیت دریافت کرو کہ روح کیا ہے؟

نظر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دونوں واپس قریشیوں کے پاس آئے اور کہا لو بھئی، آخری اور انتہائی فیصلے کی بات انہوں نے بتلادی ہے۔ اب چلو حضرت سے سوالات کریں۔ چنانچہ یہ سب آپ کے پاس آئے اور تینوں سوالات کیے۔ آپ نے فرمایا تم کل آؤ میں تمہیں جواب دوں گا، لیکن ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ پندرہ دن گزر گئے وحی نہ آئی نہ جبرائیل امین علیہ السلام آئے۔ نبی غم زدہ ہوگئے، قریش باتیں بنا رہے تھے اور یہودی الگ پروپیگنڈے کر رہے تھے۔ آخر وحی نازل ہوئی تو فرمایا:

﴿ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ○ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ﴾

[الکہف:۲۳،۲۴]

”ہر کسی کام پر آپ یوں نہ کہیں، میں اسے کل کروں گا، مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ (اگر اللہ چاہے) بھی کہہ لیجئے۔“

معلوم ہوا کہ لفظ غد قرآن حکیم میں دو معنوں کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ (1) آنے والا کل (2) قیامت کا دن ۔ اب دونوں معنوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے روزے کی نیت والے الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ وبصوم غد نویت ...... کا معنی یا تو یہ بنتا ہے میں نے قیامت والے دن کے روزے کی نیت کی اور قیامت والے دن روزہ رکھنا کوئی انعام نہیں بلکہ وہ تو ایک سزا ہے۔ کہ جب لوگ پیاس سے تڑپ رہے ہوں گے اور حوض کوثر سے ایک جام پینے

کیلئے مچل رہے ہوں گے، خود نبی ﷺ اپنے ہاتھوں سے مومنین کو پانی پلا رہے ہوں گے ایسے میں تو وہ انسان بدنصیب ہی ہوگا جو قیامت کے دن کا روزہ رکھے۔

اگر غد کا معنی ''آنے والا کل'' کریں تو ''وبصوم غدنویت'' کا مطلب ہے میں نے کل کے دن کے روزے کی نیت کی اور روزہ تو سحری کے وقت آج کے دن کا رکھ رہا ہے اور نیت کل کی کر رہا ہے۔ گویا وہ آج کا روزہ نہیں رکھ رہا بلکہ ویسے ہی کھانے پینے کیلئے بیٹھا ہے۔ مہینہ بھر کل کی نیت ہی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ جب تیسواں روزہ آتا ہے تب بھی کہنا ہے میں نے کل کے روزے کی نیت کی ۔ حالانکہ اگلے دن عیدالفطر کا دن ہے اور عید الفطر کے روزے سے تو نبی ﷺ نے روکا ہوا ہے۔ اس طرح یہ نیت تو فرمانِ نبوی ﷺ کے بھی خلاف جاتی ہے اور کتنی عجیب بات ہے کہ آدمی جب سحری کے وقت اٹھ کے منہ ہاتھ دھوتا ہے تو دوسرے لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ روزہ رکھنے والا ہے، رات قیام اللیل سے سب کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کل کا روزہ رکھے گا اور کیا روزہ رکھنے والے کو شک ہے کہ وہ اپنی زبان سے چند من گھڑت الفاظ ادا کر رہا ہے۔

نماز و روزہ کی نیت فقہ حنفی کی نظر میں:

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں برہان الدین مرغینانی نیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' و النِّيَّةُ هِيَ الْإِرَادَةُ وَالشَّرْطُ أَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ أَيَّ صَلَاةٍ يُصَلِّيْ ...... اَمَّا الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِهِ'' ①

''اور نیت ارادہ کو کہتے ہیں اور شرط یہ ہے کہ آدمی دل سے جان لے کہ وہ کون سی نماز پڑھنے لگا ہے، رہا زبان سے بول کر نیت کرنا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔''

معلوم ہوا کہ نیت ارادہ کا نام ہے اور روزے کی نیت بھی دلی ارادہ کو کہتے ہیں اور یہ

① ھدایہ باب شروط الصلوٰۃ : ۱/ ۹۷ ۔

نیت تو اس وقت ہی ہوجاتی ہے جب آدمی رات کو نماز تراویح پڑھتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے افعال کو نیت سے خالی کرنا چاہے تو یہ اس کے بس سے باہر ہے اور کوئی بھی عقلمند آدمی ایسا نہیں ہوگا جو کوئی بھی عبادت بلانیت ہی کرلے۔ لیکن بعض بھائیوں کو اصرار ہے کہ روزے اور نماز کی نیت کے مخصوص الفاظ ہیں اور کہنے چاہئیں۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ دلیل سے خالی ہے۔ اسی لئے امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَلَوْ مَكَثَ اَحَدُهُمْ عُمَرَ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامِ لِيُفَتِّشَ هَلْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِهِ شَيْأً مِنْ ذٰلِكَ لَمَّا ظَفَرَ بِهِ" ①

"اگر کوئی شخص نوح علیہ السلام جتنی عمر بھی پالے اور اس بات کی تلاش رکھے کہ ایسی نیت نبی اکرم ﷺ نے یا آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کی تو پھر بھی کامیاب نہ ہوسکے گا۔"

روزے کی افطاری (ہمارا اور صحابہ کا انداز):

مذکورہ بحث روزہ رکھنے سے متعلق تھی۔ جس میں نبی رحمت ﷺ کی سنت سے ہٹ کر نیت کے لئے بنائے ہوئے الفاظ کا ذکر ہوا۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ روزہ افطار کرنے میں ہمارے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے انداز میں کیا فرق ہے......؟

روزہ کی افطاری میں صحابہ کا انداز:

نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزہ کھولتے وقت جلدی کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ وقت سے پہلے کھولتے تھے بلکہ جیسے ہی سورج غروب ہوا فوراً روزہ افطار کرلیا۔ درج ذیل احادیث کس قدر واضح ہیں۔

---

① اغاثة اللهفان من مصايد الشيطان : ١٣٦/١ ۔

" عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوْا الْفِطْرَ " ①

''حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ اس وقت تک ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے جب تک وہ روزہ کھولنے میں جلدی کریں گے۔''

« عَنْ اَبِیْ عَطِيَّةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰی عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقُلْنَا يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُ هُمَا يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ وَالْاٰخَرُ يُؤَخِّرُ الْاِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ قَالَتْ اَيُّهُمَا الَّذِیْ يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ قَالَ قُلْنَا عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِیْ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَتْ كَذٰلِكَ كَانَ يَصْنَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ » ②

''حضرت ابوعطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور مسروق دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا اے ام المومنین ! نبی ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو آدمی ایسے ہیں کہ ایک ان میں روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتا ہے اور نماز پڑھنے میں بھی جلدی کرتا ہے اور دوسرا افطاری میں بھی دیر کرتا ہے اور نماز میں بھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا جو افطاری میں اور نماز میں جلدی کرتا ہے کون ہے؟ ہم نے کہا وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب تعجیل الافطار۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور و استحبابہ۔

روزہ کی افطاری میں ہمارا انداز :

مذکورہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افطاری میں جلدی کیا کرتے تھے، لیکن ہمارے ہاں افطاری میں دیر کرنا بعض کے ہاں پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے ان کا ذہن یہود و نصاریٰ کی نقالی نہ ہو۔ لیکن لاشعوری طور پر وہ اس سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ روزہ نہیں افطار کر رہے۔ جواب ملتا ہے کہ جب میری مسجد میں اذان ہوگی تب کھولوں گا۔ میں دوسرے مسلک والوں کی اذان پر روزہ نہیں افطار نہیں کرتا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ مسجد وہ بھی مسلمانوں کی ہے اور مسجد یہ بھی مسلمانوں کی ہے اور روزہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ بحیثیت مسلمان سوچئے! کیا کوئی صحیح العقیدہ مسلمان وقت سے پہلے اذان دینا یا روزہ افطار کرنا پسند کرے گا......؟ کسی کا بھی دل نہیں چاہتا تو پھر اذان سن کے وقت دیکھئے اگر وقت کے مطابق ہے تو روزہ کھولنے میں جلد کیجئے اللہ آپ سے بھلائی کا سلوک فرمائیں گے۔ اگر آپ نے دیر کی تو یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہوگی۔

افطاری میں نصاریٰ سے ایک اور مشابہت :

بعض لوگ تو اتنے سہل پسند یا فیشن پرست واقع ہوئے ہیں کہ وہ اذان کے وقت مسجد میں سائرن بجاتے ہیں۔ اچھا بھلا عقلمند آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست اور عقل و دانش سے نوازا ہے وہ اذان کے وقت مسجد میں باجے یا سائرن کے اردگرد گھوم پھر کر دیکھ رہا ہے اور اسے بجانے کیلئے ٹائم کے مطابق فٹ کرتا ہے پھر اسے اٹھ کر بند بھی کرتا ہے۔ کیا اتنی دیر میں وہ اذان نہیں کہہ سکتا تھا اور یہ سائرن بجانا مسجد میں ویسے ہی مناسب نہیں۔ یہ کوئی مل یا فیکٹری تو نہیں ہے سائرن اور آوازے کے دیگر آلات بوق کی جدید شکل ہیں، کیا اسے مسجد میں بجایا جاسکتا ہے۔ آیئے! صحیح بخاری کھول لیتے ہیں۔ نبی ﷺ جب اپنے پیارے صحابہ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ابھی اذان کی ابتداء نہیں ہوئی

تھی، نمازیوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ نمازیوں کو نماز کیلئے اکٹھا کس طرح سے کیا جائے، اس کا کوئی واضح حل اور طریقہ موجود نہیں تھا۔ آخر کار صحابہ کرام بارگاہِ رسالت میں اکٹھے ہوئے اور سر جوڑ کر بیٹھ گئے تاکہ اس کا کوئی مناسب حل نکالا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

«كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ الصَّلَاةَ لَيْسَ يُنَادِيْ لَهَا فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوْا نَاقُوْسًا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ بُوْقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ أَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ» [1]

''مسلمان جب مدینہ میں آئے تو نماز کیلئے (ویسے ہی) جمع ہوجاتے اور ایک وقت ٹھہرا لیتے نماز کے لئے اذان نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن انہوں نے اس بارے میں گفتگو کی تو بعض کہنے لگے نصاریٰ کی طرح ناقوس بنالو۔ بعض نے کہا یہودیوں کی طرح ایک بگل بنا لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا کیوں نہیں کرتے ایک آدمی کو مقرر کردو وہ نماز کے لئے پکار دے دیا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسی رائے کو پسند کیا) اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اٹھ اور نماز کیلئے اذان دے۔''

ہاں ناقوس و سنکھ اور یہود و نصاریٰ کے طریقے رد ہوگئے۔ اسلام نے اپنی امتیازی شان کو برقرار رکھا، لیکن آج نجانے کیوں وہی مسلمان جنہوں نے گرجا گھروں کی گھنٹیوں کو رد کردیا تھا، جدید بوق یعنی سائرن اور ٹلو کو پسند کرنے لگے۔ جس طریقہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رد کردیا تھا اسے ہم نے اختیار کرلیا یہ بھی خوب مسلمانی ہے کہ ہماری سحری تو ڈھول کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب بدء الاذان۔

تھاپ پہ ہوتی ہے اور افطاری باجوں کے ساتھ ۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

روزہ افطاری کیلئے اعلان کرنا:

بعض مساجد میں روزہ کی افطاری کے وقت بجائے اذان دینے کے پہلے ایک لمبی سی دعا پڑھی جاتی ہے پھر افطاری کا بھی اچھا خاصا اعلان کیا جاتا ہے مثلاً ''روزے دارو! اللہ نبی کے پیارو! جنت کے حقدارو! افطاری کا وقت ہوگیا ہے، روزہ افطار کرلیں۔'' پھر اذان دس پندرہ منٹ بعد دی جاتی ہے۔ غور فرمایئے! اعلان کرنے اور لمبی دعا پڑھنے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اتنی دیر میں تو آدمی آدھی سے زیادہ اذان کہہ لیتا ہے ایک آدھ منٹ اور لگے تو اذان مکمل ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد آپ مسجد میں بیٹھ کر سکون سے روزہ افطار کریں۔ لوگوں کو تو آسانی ہوجائے گی، وہ مسجد میں آکر سنتیں پڑھ لیں گے، نوافل ادا کرلیں گے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ)) [1]

ہر دو اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان (نفلی) نماز ہے۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نفلی نماز ہے پھر تیسری مرتبہ فرمایا اس کے لئے جو پسند کرے۔

دیکھئے! نماز مغرب کا ایک تو وقت بہت کم ہوتا ہے اور جب اذان بھی پندرہ منٹ بعد ہوگی پھر نوافل تو پڑھے ہی نہیں جائیں گے اور نہ اس سنت پر عمل ہو سکے گا۔

لیلۃ القدر کو صرف ستائیسویں رات کے ساتھ خاص کرنا:

نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر ہے اور اس

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب بین کل اذانین صلاۃ ۔

رات کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ نبی ﷺ اس کی تلاش میں بھی بہت کوشش کیا کرتے تھے لیکن ایک مخصوص طبقہ نے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرنے اوران راتوں میں عبادت سے پیچھا چھڑانے کیلئے لیلۃ القدر کوصرف ستائیسویں رات کے ساتھ خاص کردیاہے۔ اسی دن اخبارات پرلیلۃ القدر کے حوالہ سےفیچر شائع ہوتے ہیں، قومی پروگرام نشر ہوتے ہیں، سرکاری دفاتر میں چھٹی ہوتی ہے، نوافل کا اہتمام ہوتا ہے، چراغاں کیاجاتا ہے، چاول پکتے ہیں،قمقموں سے مساجد کو دلہن کی طرح سجایاجاتا ہے۔ پھر اس رات کے بارے میں عجیب حکایات گھڑ رکھی ہیں۔ مثلاً اس رات بعض ایسے لمحات آتے ہیں کہ پانی دودھ بن جاتا ہے یا اس وقت آسمان سے ستارہ ٹوٹتا ہے وغیرہ ۔ حالانکہ لیلۃ القدر کوصرف ستائیسویں رات کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی ثبوت نبی ﷺ سے نہیں ملتا۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے صرف صحیح مسلم کی روایات ہی کافی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

اکیسویں رات:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ رَأَیْتُ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ فَأُنْسِیْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِیْ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِیْ کُلِّ وِتْرٍ وَقَدْ رَأَیْتُنِیْ اَسْجُدُ فِیْ مَاءٍ وَطِیْنٍ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ مُطِرْنَا لَیْلَةَ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ فَوَکَفَ الْمَسْجِدُ فِیْ مُصَلّٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرْتُ اِلَیْهِ وَقَدِ انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةِ الْصُّبْحِ وَوَجْهُهٗ مُبْتَلٌّ طِیْنًا وَمَآءً» ①

”میں نے خواب میں شب قدر کو دیکھا مگر بھلا دیا گیا تو اسے آخری عشرہ کی ہر طاق رات میں تلاش کرو اور میں نے خود کو (خواب میں) دیکھا کہ کیچڑ اور پانی

① صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل لیلة القدر۔

میں سجدہ کرتا ہوں پھر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اکیسویں رات کو ہم پر بارش برسی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی پر مسجد کی چھت ٹپکی اور میں نے دیکھا جب آپ نے صبح کی نماز سے سلام پھیرا تو آپ کے چہرہ پر کیچڑ اور مٹی کے نشانات ہیں۔"

مذکورہ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ شب قدر اکیسویں رات کو تھی۔

تیئسویں رات:

« عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا وَاَرَانِيْ صُبْحَتَهَا أَسْجُدُ فِيْ مَآءٍ وَطِيْنٍ قَالَ فَمُطِرْنَا لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ فَصَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْصَرَفَ وَاِنَّ اَثَرَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ عَلٰى جَبْهَتِهِ وَاَنْفِهِ قَالَ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُنَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ » [1]

"حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا مجھے شب قدر دکھائی گئی پھر میں بھول گیا اور میں نے دیکھا کہ اس کی صبح کو میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کررہا ہوں اور راوی نے کہا کہ تیئسویں رات ہم پر بارش برسی ہمیں رسول اللہ نے نماز پڑھائی اور جب آپ (صبح کی) نماز پڑھ کر پھرے تو آپ کی پیشانی اور ناک پر پانی اور کیچڑ کا نشان تھا اور عبداللہ بن انیس تیئسویں رات کو شب قدر کہا کرتے تھے۔"

ستائیسویں رات:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

1. صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل لیلة القدر۔

«اَنَّهَا فِیْ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهَا لَیْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ» ①

"وہ رات (رمضان المبارک کے) آخری عشرہ میں ہے اور بے شک وہ ستائیسویں رات ہے۔"

طوالت سے بچتے ہوئے ہم انہی چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں لیکن ان سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ شب قدر کے تعین میں اختلاف ہے کسی ایک رات کو مستقل شب قدر کہنا درست نہیں۔

لیلۃ القدر کو کس رات ڈھونڈیں......؟

نبی ﷺ نے کسی ایک رات کو متعین نہیں فرمایا بلکہ لیلۃ القدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں سے خاص کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِنِّیْ اُرِیْتُ لَیْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْسِیْتُهَا اَوْنَسِیْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِیْ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِیْ الْوِتْرِ» ②

"شب قدر مجھ کو دکھائی گئی لیکن میں بھول گیا یا بھلا دیا گیا پس تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔"

«عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَحَرَّوْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ» ③

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔"

---

① صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل لیلة القدر۔
② صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب التماس لیلة القدر۔
③ بخاری، کتاب الصوم باب تحری لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر۔

اس لئے لیلۃ القدر کو صرف ستائیسویں رات میں تلاش کرنے کی بجائے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہیے ان تمام طاق راتوں میں آدمی قیام کرے، تلاوت کرے، نوافل پڑھے، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

« مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَإِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ »[1]

''جو کوئی شب قدر کو قیام کرے ایمان اور ثواب کی نیت سے اس کے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔''

اور قرآن حکیم کی ایک سورت میں اس رات کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ یقیناً جو پانچوں رات خلوص دل سے قیام کرے گا اسے ضرور پالے گا۔ باقی رہا اس رات ستارے کا ٹوٹنا یا پانی کا دودھ بننا تو یہ سب من گھڑت افسانوی باتیں ہیں۔

چراغاں کس رات کریں......؟

احادیث صحیحہ کو دیکھا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ شب قدر کسی ایک رات کے ساتھ خاص نہیں لیکن اس حقیقت کو مان لینے سے ایک مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر اسے ستائیسویں رات سے خاص کریں تو ایک رات چراغاں کیا جاسکتا ہے لیکن اگر پانچوں طاق راتوں میں تلاش کرنے کہا جائے تو خراغاں کس رات کریں......؟ پانچویں رات اگر چراغاں ہو تو مساجد کو قمقموں اور بتیوں سے سجانے میں بہت سے اخراجات اٹھیں گے، مہنگائی کے دور میں غریب عوام انہیں برداشت کرنے کے متحمل نہیں۔ پھر لوگ بھی اچھا نہیں سمجھتے اس کا مناسب حل کیا ہے......؟

اس کا حل پیش کرنے سے پہلے ہم ایک چھوٹا سا سوال نہایت ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مساجد میں چراغاں کرنے کا حکم کس نے دیا ہے؟ نبی ﷺ نے یا صحابہ

[1] بخاری، کتاب الصوم، باب فضل لیلة القدر۔

کرام رضی اللہ عنہم نے یا آئمہ دین نے...... آپ نہ کریں یہ چراغاں، ان جلتی بجھتی بتیوں کا نہ تو مسجد کو فائدہ ہے اور نہ ان کی وجہ سے نمازیوں کے دل میں ایمان کے چراغ روشن ہوتے ہیں نہ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ بلکہ چاروں اماموں سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ ساری رقم مسجد کے فنڈ میں جمع کریں یا کسی غریب مسکین کو دے دیں۔ مسجد نبوی میں کونسا چراغاں ہوتا تھا، مگر ان کے دلوں میں ایمان کے چراغ روشن تھے۔ اسی لئے طاق راتوں میں مدینہ کی مساجد جن کی دیواریں مٹی اور چھتیں کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوتیں لیکن وہ آہوں اور سسکیوں سے آباد ہوتیں تھیں۔ کوئی رب کے سامنے ندامت کے آنسو بہار ہا ہے کوئی دامن پھیلائے اشکوں کی لڑیاں پرو رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے، کوئی ذکرو اذکار میں مشغول ہے، ہاں ان کے دل ایمان کی روشنیوں سے معمور تھے اور مساجد تو طاق راتوں میں بھی وہی ہوتی تھیں جو بارش سے ٹپک جایا کرتیں، اصل چیز دل روشن ہے۔ دل روشن ہونا چاہیے، مساجد میں لڑیاں لٹکانے کا کوئی فائدہ نہیں، جب راتوں کا سوز گداز اور آہِ سحر گاہی نہیں، جب دل میں ایمان کی شمع بجھ جائے اور جب دل، دل بینا نہ رہے تو میناروں پر روشنیوں کے پیچ و تاب کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

عید کارڈ کی رسم بد:

جب تقریباً نصف ماہ گزر جاتا ہے تو اکثر دوکاندار عیدکارڈز کو دوکانوں اور بنچوں پر سجالیتے ہیں۔ پھر مسلمان نوجوان مہنگے سے مہنگا کارڈ خرید کر ایک دوسرے کو ارسال کرتے ہیں اور یہ کارڈ ہر رنگ میں دستیاب ہوتے ہیں۔ فحش اور نیم برہنہ تصاویر سے لتھڑے ہوئے، روضہ رسول اور مساجد کی تصاویر سے مزین اور انہیں عید کے ساتھ یوں خاص کردیا گیا ہے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں نوجوان لڑکوں/لڑکیوں کو شاید اس کا فوبیا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ اس رسم کا بد کا تعلق عیسائیوں کے کرسمس کارڈ کے ساتھ ہے ہم یہاں اس کی تفصیل سے گریز کریں گے جو اس سلسلہ میں عیدکارڈ کی شرعی و تاریخی حیثیت کا مفصل

مطالعہ کرنا چاہتا ہو وہ ہماری کتاب ''غیر مسلم تہوار'' کا مطالعہ کرے۔

شبینہ کا اہتمام:

رمضان المبارک کی طاق راتوں میں اس چیز کا اہتمام بھی ہوتا ہے کہ شبینہ کے اشتہارات چھپتے ہیں جن پر مرقوم ہوتا ہے ساری رات قیام اور رات بھر میں قرآن پاک کو ختم کیا جائے گا اور یوں عشاء سے فجر تک قیام ہوتا ہے اور قرآن پاک کو ختم کیا جاتا ہے اور بعض تو یوں سمجھ لیتے ہیں کہ سارا رمضان قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ قیام کی ضرورت ہے۔ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سارا قرآن سن لیں گے ان کا عمل کیا شریعت کے مطابق ہے۔ ہم اس سلسلہ میں فضیلۃ الشیخ مبشر احمد ربانی ﷾ کا فتویٰ من و عن درج کر رہے ہیں۔

سوال: علمائے کرام اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عشاء کی نماز کے بعد تراویح کے علاوہ جو شبینہ پڑھایا جاتا ہے۔ جس میں قاری حضرات دو رکعت میں ایک پارہ قرأت کرتے ہیں اور مقتدی پیچھے کھڑے ہو کر سنتے ہیں اور اسی طرح رات ایک بجے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور کئی کئی پارے اور کئی رکعات نفل ادا کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ عمل رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ سے ثابت ہے۔ اگر نہیں تو کیا یہ عمل باعث ثواب ہے یا بدعت کی بناء پر گمراہی ہے اور گناہ کا باعث ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں دو تین باتیں قابل غور ہیں۔ اولاً نماز نفل باجماعت ادا کرنا، ثانیاً نماز نفل کا اپنی طرف سے مقررہ اہتمام اور اس پر دوام و اصرار کرنا۔ یعنی خاص وقت یا معین مہینہ میں اس کا خصوصی اہتمام کرنا۔ اول الذکر بات تو اللہ کے رسول سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری باب اذا ینو الامام ان یوم ثم جاء قوم فامھم میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے

پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ جب رسول اکرم ﷺ نماز تہجد میں مشغول ہوئے تو میں آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہوگیا۔ ان کی اقتداء میں نماز تہجد پڑھنے لگا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے میری امامت کی نیت نہیں کی تھی، تو آپ ﷺ نے میرے سر سے پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کرلیا۔ ①

اسی طرح صحیح بخاری باب صلوۃ النوافل جماعۃ میں محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ سے سیدنا عتبان بن مالک کا واقعہ منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ سیدنا عتبان کی فرمائش پر ان کے گھر تشریف لائے اور دو رکعت نماز باجماعت ادا فرمائی۔ ②

ان ہر دو احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ نماز نفل کی جماعت بلا شک و شبہ جائز ہے لیکن اس کا اعلان کرنا مردوں اور عورتوں کو بذریعہ اشتہارات جمع کرنا، نوافل باجماعت، بالدوام کرنا اور رات کو چراغاں گل کر کے دعائیں مانگنا ناجائز اور بدعت معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مطلق نماز نفل باجماعت ادا کرنا تو صحیح ہے لیکن یہ قیود مع اہتمام اس مطلق جواز کو بدعت میں بدل دیتے ہیں۔ جیسا کہ نماز چاشت صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا سے یہ نماز مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کی پابندی کی وصیت بھی فرمائی (صحیح بخاری، ۱/۱۵۷) مگر اس وصیت کے باوصف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کو بدعت کہتے ہیں (اس کی وجہ ذیل میں آرہی ہے) جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ مجاہد کہتے ہیں: میں اور عروہ دونوں مسجد میں داخل ہوئے:

« فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَإِذَا أُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ فِي الْمَسْجِدِ صَلوٰةَ الضُّحٰى فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ فَقَالَ بِدْعَةٌ » ③

---

❶ صحیح بخاری : ۱/۹۷۔

❷ صحیح بخاری : ۱/۱۰۸۔

❸ صحیح بخاری، باب کم اعتمر النبی ﷺ ۱/۲۳۸، صحیح مسلم۔

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس بیٹھے تھے اور اس وقت کچھ لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے۔ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی اس نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ بدعت ہے۔''

جبکہ یہ نماز متعدد اسانید صحیحہ سے مروی ہے جیسا کہ اوپر صحیح بخاری کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ مقام غور ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بدعت کیوں کہا؟ اس لئے کہ رسول اللہ کے عہد مسعود میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا دستور نہیں تھا۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے:

« مَرَادُهُ اِنَّ اِظْهَارَهَا وَالْاِجْتِمَاعَ لَهَا بِدْعَةٌ لَّا اَنَّ صَلٰوةَ الضُّحٰی بِدْعَةٌ وَقَدْ سَبَقَتِ الْمَسْئَلَةُ فِي كِتَابِ الصَّلٰوةِ »

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ نماز چاشت کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لئے اجتماع و اہتمام کرنا بدعت ہے نہ کہ نماز چاشت بدعت ہے۔''

امام ابوبکر بن ولید الطرطوشی لکھتے ہیں:

« مَحِلُّهُ عِنْدِيْ عَلٰى اَحَدِ وَجْهَيْنِ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَهَا جَمَاعَةً اِمَّا اَنَّهَا يُصَلُّوْنَهَا مَعًا اَوْ فَذَاذًا عَلٰى هَيْئَةِ النَّوَافِلِ فِيْ اَعْقَابِ الْفَرَائِضِ » [1]

''ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس نماز کو اس لئے بدعت قرار دیا کہ وہ اسے باجماعت پڑھ رہے تھے یا اس لئے کہ اکیلے اکیلے اس طرح پڑھ رہے تھے جیسے فرائض کے بعد ایک ہی وقت میں نمازی سنن رواتب پڑھا کرتے ہیں۔''

اس کی دوسری مثال یہ لے لیں کہ سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ کا وظیفہ اپنے اندر بڑے فضائل رکھتا ہے اور مفسرین نے اس کو باقیات صالحات میں شمار کیا ہے، یہ بلندی

---

1. کتاب الحوادث والبدع: ۴۰۔

درجات اورنجاتِ اخروی کا بہترین ذریعہ ہے۔ مگر اس کے باوجود جب اسے خاص قیود اور غیر ثابت تکلفات و التزامات کے ساتھ پڑھا جائے گا تو یہی وظیفہ ہلاکت اور خسارے کا باعث بن جائے گا جیسا کہ سنن دارمی میں بسند صحیح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آتا ہے کہ کچھ لوگ کوفہ شہر کی مسجد میں حلقہ باندھے کنکریوں پر سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ سو سو دفعہ پڑھ رہے تھے، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا:

« فَعُدُّوا مِنْ سَيِّاٰتِكُمْ فَاَنَاضَامِنٌ اَنْ لَّا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ وَّيْحَكُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا اَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ مُتَوَافِرُوْنَ وَهٰذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ اَوْ مُفْتَحُوْا بَابَ ضَلَالَةٍ؟ » ①

”تم اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضمانت دیتا ہوں تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ اے امت محمد ﷺ تم پر افسوس ہے کہ تم کتنی جلدی ہلاکت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ابھی تم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بکثرت موجود ہیں۔ ابھی تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور آپ ﷺ کے استعمال میں آنے والے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ تم ایسا کر کے گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔“

اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ عبادت اور اطاعت جس طرح شریعت میں منقول ہو، اس کو اسی انداز میں ادا کرنا چاہیے۔ اپنی طرف سے اس میں پابندیاں عائد کرنا، بغیر دلیل کے مطلق کو مقید کرنا، غیر موقت کو موقت کرنا یعنی کسی وقت کے ساتھ خاص کر لینا، غیر معین کو معین بنانا، بدعت بن جائے گا جس سے اجتناب ضروری ہے۔ وگرنہ ہلاکت میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ یہی نکتہ ہے جس کے پیش نظر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کو بدعت کہا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حلقہ باندھ کر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ کا ذکر کرنے کو بدعت اور ہلاکت قرار دیا۔

---

① سنن دارمی، ص: ٦١ ۔

امام ابواسحاق شاطبی رقم طراز ہیں کہ:

« مِنْهَا اِلْتِزَامُ الْكَيْفِيَّاتِ بِهَيْئَةِ الْاِجْتِمَاعِ عَلَى صَوْتٍ وَاحِدٍ وَاتِّخَاذُ وِلَادَةِ النَّبِيِّ عِيْدًا وَّمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ وَمِنْهَا اِلْتِزَامُ الْعِبَادَاتِ مُعَيَّنَةً فِي اَوْقَاتٍ مُعَيَّنَةٍ لَمْ يُوْجَدْ لَهَا ذٰلِكَ التَّعْيِيْنُ فِي الشَّرِيْعَةِ كَالْتِزَامِ يَوْمِ نِصْفٍ مِّنْ شَعْبَانَ وَقِيَامِ لَيْلَتِهٖ »

یہ بھی بدعات سے ہے کہ کسی نیک عمل کی ادائیگی کے لئے اجتماع کی صورت میں ایک ہی آواز کے ساتھ ذکر کا التزام کرنا، عیدمیلادالنبی منانا اور اس کی مثل دیگر امور اور ان بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ عبادات کو معین کرنا، معین اوقات کے ساتھ جن کی تعیین شریعت میں نہیں پائی جاتی۔ جیسا کہ ۱۵ شعبان اور اس کی رات کو پابندی کے ساتھ عبادت بجالانے کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام شاطبی اور دیگر محدثین کی تصریح سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شریعت نے جن عبادات و اطاعات کو مطلق چھوڑا ہے، ان میں اپنی طرف سے پابندیاں عائد کرنا ان کی ہیئت و کیفیت کو بدلنا ہے۔ ان اوقات کے ساتھ معین کرنا گویا دین کو بدلنا ہے اور اس کا نام تحریف ہے اور یہ گمراہی ہے۔

لہٰذا لوگوں کا نوافل کے لئے اہتمام، خصوصی شبینہ کرنا اس کے لئے لوگوں کو تیار کرنا، اس پر اصرار کرنا سراسر سنت اور سبیل المومنین کے خلاف ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین، فقہاء، محدثین رحمہم اللہ نے اس تکلف اور اہتمام کو پسند نہیں کیا۔ لہٰذا اس بدعت سے اجتناب کرنا چاہیے اور عبادت کا جو طریقہ اللہ کے رسول سے منقول ہے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ [1]

اعتکاف کرنے والے:

رمضان المبارک میں اعتکاف کرنا خصوصاً آخری عشرہ میں ...... یہ نبی ﷺ کی سنت

---

[1] مجلة الدعوة، مئی ۱۹۹۳ء۔

اور بے انتہاء اجر و ثواب والا کام ہے لیکن اس عظیم الشان عمل میں کئی قسم کی آسانیاں اور تنگیاں پیدا کر کے اس کی اصل شکل کو بگاڑ دیا گیا ہے۔ سلفی اور حنفی بھائیوں کے گروہی تصادم سے اس میں جو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں وہ دو طرح کی ہیں:

۱۔ اعتکاف میں آزادی

۲۔ اعتکاف میں تنگی

آزادی:

ایک گروہ نے اعتکاف میں اتنی زیادہ آزادی اختیار کر لی ہے کہ بعض اوقات مسجد کا تقدس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسجد میں اعتکاف بیٹھ کر ہمہ وقت گپیں لگائی جارہی ہیں، سیاست ہو رہی ہے اور بعض اعتکاف بیٹھنے والے نوجوان تو اتنے باکمال ہیں وقت گزاری کے لئے ایک خیمہ میں اکٹھے ہو کر لڈو کھیل رہے ہیں یا گھر سے چوری چھپے تاش کی گڈی منگوا لیتے ہیں اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اعتکافیوں کی آپس میں کسی مسئلہ پر بحث ہوئی تو معاملہ تو تو میں میں تک پہنچ گیا لڑائی کی نوبت آ گئی۔ اس طرح سے اعتکاف کرنے والے اگر ایک طرف اللہ کے گھر کی حرمت کو پامال کرتے ہیں تو دوسری طرف نماز پڑھنے کیلئے آنے والے نمازیوں کیلئے بھی تنگی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ اعتکاف کرنیوالے اللہ کے در پر کچھ مانگنے کیلئے آتے ہیں اور جب آدمی کسی کے گھر کچھ مانگنے کے لئے جائے تو بڑے ادب سے مانگتا ہے کہ کہیں کسی کوتاہی کی وجہ سے دھتکار نہ دیا جائے۔ آدمی سے مانگے تو اس قدر ادب کے ساتھ اور اللہ سے جو تمام کائنات کا رب ہے سے مانگے تو کسی اور انداز سے یہ کس قدر بڑی جسارت ہے۔ اعتکاف کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اگر عبادت کیلئے بارگاہِ الٰہی میں آیا ہے تو کم سوئے، کم کھائے اور کم بولے اور سارا وقت اللہ کی عبادت میں صرف کرے یہی اعتکاف کی روح ہے۔

اعتکاف میں تنگی کرنے والے:

دوسرا گروہ وہ ہے جس نے اعتکاف میں آزادی کو بالکل ہی ختم کر دیا ہے وہ اگر اعتکاف سے کسی ضروری کام کیلئے نکلیں مثلاً قضائے حاجت یا نماز کے لئے تو منہ کو کپڑے سے چھپا لیتے ہیں تاکہ کوئی دیکھ نہ لے یہ خواہ مخواہ کی سختی ہے جس کا کہیں کسی حدیث سے ثبوت نہیں ملتا۔

ایک نیا کام اسی طبقہ کی جانب سے یہ بھی ہوتا ہے کہ جیسے ہی اعتکاف کے دس دن پورے ہوئے عید کا چاند نظر آیا تو اعتکاف کرنے والے کے رشتہ دار و احباب ڈھول ڈھمکوں والے ساتھ لے کر پھولوں اور نوٹوں کے ہار ہاتھوں میں تھامے جلوس کی شکل میں مسجد میں پہنچ جاتے ہیں، اعتکاف سے اٹھنے والے کو دولہے کی طرح ہاروں سے سجادیا جاتا ہے۔ پھر ڈھول پیٹتے ہوئے نعرے لگاتے ہوئے اور نعتیں پڑھتے باقاعدہ بارات کی شکل میں اعتکاف سے اٹھنے والے کو جلوس گھر چھوڑ کے آتا ہے۔ اعتکاف سے اٹھانے کیلئے رشتہ داروں کو باقاعدہ دعوت نامے بھیجے جاتے ہیں۔

ذرا سوچئے! کیا اس نے اعتکاف کر کے ملک وملت پر بہت بڑا احسان کر دیا ہے.....؟

کیا اس طرح کرنے میں فخر اور ریاکاری کا عنصر شامل نہیں ہوسکتا......؟

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارے پر گردن کٹوانے کیلئے تیار ہوجاتے تھے وہ اپنے مرشد کو اعتکاف سے اٹھانے کیلئے اس طرح مسجد میں نہیں آسکتے تھے...........؟

اعتکاف کے بعد تو اسے لرزتے قدم لے کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے یوں نکلنا چاہیے کہ اللہ یہ بندہ حق بندگی ادا نہ کرسکا تیرے در پر آیا ضرور لیکن جو حق تھا وہ پوری طرح ادا نہ کرسکا، ان ٹوٹے پھوٹے سجدوں کو قبول کرلے۔ جو اس طرح اٹھنے میں لذت ہے وہ شور شرابے میں قطعاً نہیں ہے۔

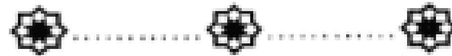
  

کتابیات

1	قرآن حکیم	
2	صحیح بخاری شریف	محمد بن اسماعیل البخاری
3	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری
4	سنن ابی داوٗد	ابوداوٗد سلیمان بن الاشعث السجستانی
5	جامع ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی
6	سنن نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الشہیر النسائی
7	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی
8	سنن دارمی	ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی
9	تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمٰن مبارک پوری
10	مرعاۃ المفاتیح	علامہ ملا علی قاری
11	مشکوٰۃ المصابیح	ابومحمد الحسین بن سعود الفراء البغوی
12	تفسیر ابن کثیر	
13	اسلامی انسائیکلوپیڈیا	
14	اردو دائرہ معارف السلامیہ	
15	تاریخ طبری حصہ چہارم	نفیس اکیڈمی، کراچی
16	تاریخ ابن خلدون	علامہ ابن خلدون

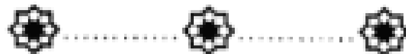
17	تاریخ اسلام	معین الدین ندوی
18	تاریخ اسلام	اکبر شاہ نجیب آبادی
19	تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی
20	چودہ ستارے	نجم الحسن کراروی
21	غنیۃ الطالبین	پیر عبدالقادر جیلانی
22	ہدایہ شریف	برہان الدین مرغینائی
23	فضائل الایام والشہور	نور محمد قادری چشتی
24	موضوعات کبیر	علامہ ملا علی قاری
25	تذکرۃ الموضوعات	علامہ طاہر پٹنی
26	اغاثۃ اللہفان من مصاید الشیطان	علامہ ابن قیم
27	اصول البدع والسنن	محمد العدوی
28	عید میلاد النبی نقد واخذ	حافظ نعیم الحق ملتانی
29	حسن المقصد فی عمل المولد	امام جلال الدین سیوطی
30	ماہنامہ منہاج القرآن	ستمبر 1991ء
31	ماہنامہ ضیائے حرم	دسمبر 1989ء زیر سرپرستی محمد کرشاہ الازہری
32	سیرت رسول عربی ﷺ	نور بخش توکلی
33	رحمۃ اللعالمین ﷺ	قاضی سلیمان منصور پوری
34	محبوب خدا	چوہدری افضل حق
35	رسول رحمت	ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ
36	قصص القرآن	حفظ الرحمن سوہاروی
37	ضیاء القرآن	پیر کرم شاہ الازہری
38	جشن میلاد النبی ﷺ	مفتی عبیداللہ خان عفیف

39	محفل میلاد	الشیخ ابوبکر الجزائری ۔ مترجم: مشتاق احمد ندوی
40	کونڈوں کی حقیقت	مولانا محمود الحسن
41	صحیفہ اہلحدیث	13 فروری 1990ء
42	الاعتصام	دسمبر 1994ء
43	خدام الدین	1409ھ
44	تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہؓ	مولانا قیام الدین الحسینی
45	فتاویٰ سلفیہ	اسماعیل سلفی رحمہ اللہ
46	آپ کے مسائل	ابوالحسن مبشر احمد ربانی
47	فتاویٰ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ	ناشر دارالکتاب والسنۃ لاہور پاکستان



مولف کی دیگر تالیفات

1	غیر مسلم تہوار بے حیائی کا بازار	طبع شدہ
2	عرش الٰہی کا سایہ پانے والے خوش نصیب	" " "
3	گناہوں کو دھو دینے والے اعمال	" " "
4	اولاد کو بگڑنے سے کیسے بچائیں؟	" " "
5	جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟	" " "
6	تسہیل شرح مائۃ عامل	(زیر طبع)
7	ترجمہ تسہیل الوصول الیٰ فہم علم الاصول	" " "
8	قوائد الصیغہ (علم الصیغہ کے قوائد کی مفصل شرح)	" " "
9	تفہیم شرح نخبۃ الفکر	" " "
10	ترجمہ و تخریج و مختصر شرح سنن نسائی	" " "
11	نیکیوں کو برباد کرنے والے اعمال	" " "
12	محبت حسینؓ جزو ایمان ہے	" " "
13	جہاد کشمیر اور مجاہدین پر اعتراضات کا ایک علمی جائزہ	" " "



دار الاندلس ®
اسلام کی نشر و اشاعت کا عالمی مرکز
Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com